ماہنامہ

قندیل ادب انٹرنیشنل

لندن

شمارہ:107 ماہ نومبر 2021ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London
(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदका मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ادیب، شاعر، نقاد، دانشور، صحافی

قطعہ

عبد الکریم خالد بھی ہیں علم و ادب کے اسیر
معتبر ناقد صحافی شاعر اور سابق مدیر
ان کی کوشش سے رہے روشن صحافت کے چراغ
وہ ہیں لاہور میں اردو صحافت کے سفیر

(مبشر شہزاد)

ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- ✓ Member National Landlord Association
- ✓ Member Deposit Portection Schemes
- ✓ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✓ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✓ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔'' قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated Chief Editor

فہرست مضامین

پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد کی شخصیت	شہزادہ مبشر گلاسگو (سکاٹ لینڈ)	4
غزلیات: ڈاکٹر پروفیسر عبدالکریم خالد، عطاء المجیب راشد، رئیس اعظم حیدری، ڈاکٹر منور احمد کندے، افتخار راغب، احمد ستی، افتخاب راغب، ساجد محمود رانا، اطہر حفیظ فراز، ابن انشاء، محسن نقوی، شمشاد شاد، ظفر حبیبی، ڈاکٹر مقصود جعفری، ادا جعفری، نظیر اکبر آبادی، انور مسعود، مسعود چوہدری، ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ، ڈاکٹر طارق انور باجوہ، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، گلزار، طفیل عامر، شائق نصیر پوری، عاصی صحرائی، شفیق مراد، صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ، جان نثار اختر، وسیم احمد محموب بٹ، پروفیسر عبدالکریم خالد، مبارک صدیقی، آفتاب مضطر، حافظ مستنصر احمد قاہر، بسم اللہ کلیم، ایس ایم تقی حسین، آفتاب شاہ، مبارک احمد عابد، آفتاب احمد اختر، ڈاکٹر فرزانہ فرحت لندن، سید نصیرالدین نصیر، عبدالحمید حمیدی۔شازیہ عالم شازی۔کراچی پاکستان		7 تا 19
کتاب: طالبان کی قید میں	یو آنے روڈلے	20
غداری کا گول چکر...	رجل خوشاب	22
شاعری اور علم عروض	وارث اسلم ماہی، سعودی عرب	23
جیتے رہو شہزادہ محمد بن سلمان	ادارہ	24
ہنسی روک کر دکھایئے	رجل خوشاب	27
کھٹی میٹی یادیں	ادارہ	28
اردو کو نادان دوستوں سے بچایئے	عاصی صحرائی	29
ڈپریشن	رجل خوشاب	31
انفرادی ترقی کا راز اس کے چند بنیادی اصول	شہزادہ مبشر گلاسگو (سکاٹ لینڈ)	32
محبت	عاصی صحرائی	34
تاریخ صرف فتوحات گنتی ہے	ابن لطیف	35
خراش قلم	آفتاب شاہ	36
انسان بمقابلہ قدرت	قاسم عباس۔ٹورنٹو کینیڈا	38
زندہ اور مردہ انسان	قاسم عباس۔مِسی ساگا کینیڈا	39
غزل	رئیس اعظم حیدری کولکاتا	39
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	40
محترم پروفیسر اعظم نوید کی شاعری پر مختصر تبصرہ	رانا عبدالرزاق خان	41
مرد	قدسیہ بانو	41
تندرستی کیلئے مشورے	غزل	42

اعلان – ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔ نیچے دیئے گئے اکاونٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK, A/C 04726979 Sort Code 400500

(M) 0044-788-304637 (R) 02086482560

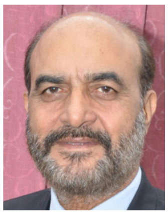

معروف شاعر بے باک صحافی اور بے مثال استاد

پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب کی شخصیت اور زندگی کا ارتقائی سفر

ترتیب وتلخیص
شہزادہ مبشر گلاسگو
(سکاٹ لینڈ)

ہمارے ایک دوست اور معروف علمی ادبی شخصیت جناب پروفیسر ڈاکٹر سید شبیہ الحسن زیدی صاحب جن کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں جنہوں نے تقریباً دس سال قبل اپنی کتاب نیرنگ حقیقت خاکسار کو عنایت فرمائی تھی ہم ان کی محبتوں کے ممنون ہیں انہوں نے حال ہی میں ہمارے ایک مشاعرے کی صدارت بھی فرمائی انہوں نے ہمارے ایک معروف شاعر بے باک صحافی اور بے مثال استاد پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد کی شخصیت اور زندگی کے ارتقائی سفر کے بارے میں روایت اور جدت کے علمبردار اور عہد ساز مجلہ نیرنگ خیال جولائی 2006ء میں ایک خوبصورت مقالہ تحریر فرمایا۔ محترم ڈاکٹر سید شبیہ الحسن زیدی صاحب اور نیرنگ خیال کے شکریہ کے ساتھ تلخیص پیش خدمت ہے۔ (شہزادہ مبشر)

عصر حاضر میں ایسے تخلیق کاروں کی کمی بے حد محسوس کی جارہی ہے جو سنجیدگی سے علم وادب کی آبیاری میں مصروف ہوں۔اس کا بنیادی سبب شاید یہ ہو کہ علم وادب کے شیدائیوں کے لئے اب ہمارے تجارتی معاشرے میں کوئی جگہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ یہ دنیا جغرافیائی اعتبار سے تو شاید ایک گلوبل ووِلیج بن گئی ہو مگر فکری تخلیق کاروں میں آج بھی بعد المشرقین موجود ہے۔اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجے کہ ہم ایک گلوبل ولیج میں رہتے ہوئے بھی اخلاقی، معاشرتی معاشی اور مذہبی سطح پر ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں ۔ میرے خیال میں پوری دنیا میں جغرافیائی ہم آہنگی سے قبل فکری ہم آہنگی ضروری ہے اور یہ کام سائنس اور ٹیکنالوجی نہیں بلکہ سنجیدہ فکر ادب اور ادیب ہی کر سکتے ہیں تخلیق کاروں میں سنجیدگی کے مفقود ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ قاری ادب اور ادیب کی مثلث ٹوٹ پھوٹ چکی ہے۔ادب زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ادیب کا قلم احباب کی خوشنودی کے لیے وقف ہو گیا ہے اور قاری نے اس ادب کش صورت حال میں ادبی تخلیقات سے ناتا توڑ کر مخرب اخلاق ڈائجسٹوں میں پناہ ڈھونڈ لی ہے۔اس بدترین ادبی بحران میں اگر کوئی تخلیق کار جب منفعت سے دور رہتے ہوئے قلم کی حرمت کا امین بن جائے اور اپنے آپ کو علم وادب کے فروغ کے لیے وقف کردے تو انسانی عقل دنگ اور آنکھ جو مسرت سے نم ہو جاتی ہے۔تخلیق کار ڈاکٹر عبدالکریم خالد ہیں جو ربع صدی سے ادب کی بنجر زمینوں کو اپنے تازہ افکار اور خردمند نظریات سے سیراب کررہے ہیں شعروادب سے ان کی یہی وابستگی اور بے لوث دلبستگی انہیں اپنے ہم عصر تخلیق کاروں میں ممتاز بنانے کا موجب ہے۔

ڈاکٹر عبدالکریم خالد ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں وہ ایک ماہر نقاد، مستند محقق، مشہور شاعر بے باک صحافی اور بے مثال استاد ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کی شخصیت کا ہر پہلو دوسرے سے منفرد اور یگانہ ہے۔ذیل میں ان کے عہد بہ عہد سوانح کوائف پیش خدمت ہیں تا کہ قارئین ان کے ارتقائی سفر سے بخوبی آگاہ ہو سکیں۔

1952ء: ولادت 8 اگست روز جمعۃ المبارک
(کاغذات میں 15 اگست درج ہے)

والدہ ماجدہ: محترم امۃ الحفیظ، والد ماجد: محترم عبدالقادر مرحوم
وبہنیں امۃ النصیر، امۃ المتین۔ برادران: عبدالرحیم طارق، عبدالحلیم احمد

1957ء: والدہ محترمہ اور دادی جان (محترمہ غلام فاطمہ) سے قرآن پاک ناظرہ کا دور مکمل کیا۔

1961ء: پرائمری سکول میں ابتدائی تعلیم کا آغاز۔ دادی جان مرحومہ ساتھ لے کر سکول میں داخل کروانے گئیں۔

1961ء: تیسری جماعت میں پہلی بار ’’علم کے فائدہ‘‘ ہے کے موضوع پر تقریر کی۔ اور درجے میں سکول کے ایک ڈرامے میں حصہ لیا

1962ء: انہیں سکول کے اساتذہ الطاف احمد صاحب اور محمد ارشد صاحب کی خصوصی توجہ اور شفقت حاصل رہی۔ دونوں اساتذہ کرام زبردست فنکارانہ صلاحیتوں کے مالک تھے اور تعلیمی ماڈل تیار کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ ماسٹر ارشد صاحب گندھی ہوئی مٹی سے مختلف پھلوں کے ماڈل بنانا سکھاتے تھے۔

1963ء: پانچویں جماعت کے ورنیکلر کے امتحان میں شرکت کی۔

1964ء: گورنمنٹ تعلیم الاسلام ہائی سکول چناب نگر میں داخلہ ہائی سکول کے اساتذہ عبدالرحمن اتالیق صاحب، محمد ابراہیم سارچوری صاحب، محمد ابراہیم بخاری صاحب، عبدالرب صاحب محمد اسماعیل صاحب محمد صدیق صاحب اور دیگر اساتذہ کی سرپرستی حاصل رہی۔

1965ء: جنگ ستمبر۔ ریڈیو سے نشر ہونے والے جنگی ترانوں اور قومی نغموں کی ولولہ انگیز صدائیں آج بھی ان کی ساعت میں محفوظ ہیں۔ اس زمانے میں انہوں نے اپنے علاقے میں قومی تحفظات کے حوالے سے ڈیوٹی بھی دی۔

1966ء: ادب اور شاعری سے دلچسپی، کہانیوں کی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور لکھنے سے رغبت ہوئی۔

1967ء: نویں جماعت میں پہلی بار اردو کے استاد عبدالرشید صاحب کی طرف سے حوصلہ افزائی پر بچوں کے رسالے کے لیے ایک کہانی لکھی۔ اسی سال سکول کے ایک تقریری مقابلے میں حصہ لے کر دوم انعام حاصل کیا۔

1968ء: میٹرک کا امتحان سائنس کے مضامین میں فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ کالج (گورنمنٹ تعلیم الاسلام کا چناب نگر پنجاب) میں شماریات اقتصادیات اور عربی کے مضامین میں گیارہویں جماعت میں داخلہ لیا۔ کالج کی شماریات ہ سوسائٹی کے اسٹنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے۔

1969ء: کالج کی بزم اردو کے صدر منتخب ہوئے جس کے نگران پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی تھے۔ پروفیسر حمید احمد خان مرحوم بزم اردو کی تقریب میں کالج میں تشریف لائے۔ اس تقریب کی صدارت کی سعادت عبدالکریم خالد کے حصہ میں آئی۔ جس میں پروفیسر حمید احمد خان مرحوم اور پروفیسر چودھری محمد علی صاحب نے مقالات پڑھے۔ اسی سال ''یوم غالب'' کے موقع پر ایک تمثیلی مشاعرہ اسٹیج ہوا جس میں خالد نے مرزا رفیع سودا کا کردار ادا کیا۔

1970ء: ایف۔ اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔

1971ء: بی۔ اے میں داخلہ لیا۔ اردو اعلیٰ اور عربی اختیاری کے مضامین لئے۔ اردو کے استاد پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی کی خاص توجہ نے ادب کا ذوق پیدا کیا۔ اسی سال کالج یونین کے سیکرٹری نامزد ہوئے۔

1972ء: بی۔ اے کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ کالج کی طرف سے مختلف بین الکلیاتی اردو مباحثوں اور مشاعروں میں شرکت کی اور متعدد انعامات حاصل کیئے۔

1973ء: ایم اے عربی میں داخلہ لیا۔ کالج میگزین کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ بین الکلیاتی مباحثوں اور سیرت کانفرسوں میں مقرر کے طور پر شہرت ملی۔ کالج کی ''بزم ارشاد'' کے صدر مقرر ہوئے۔ ایم۔ اے کے اساتذہ کرام میں پروفیسر صوفی بشارت الرحمن صاحب، پروفیسر محمد سلطان اکبر صاحب، پروفیسر اسلم صابر صاحب، پروفیسر محمد اسلم، شاد منگلا صاحب اور پروفیسر ملک مبارک احمد صاحب کی خصوصی توجہ اور شفقت حاصل رہی۔

1974ء: ایم اے عربی کا امتحان سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔

1975ء: حمایت اسلام لاء کالج میں داخلہ لیا۔ اس کے ساتھ ہی روزنامہ مغربی پاکستان میں بطور سب ایڈیٹر ملازمت کا آغاز کیا۔

1976ء: روزنامہ مغربی پاکستان میں ڈیلی کالم'' سوہنا شہر'' لکھنا شروع کیا۔ اخبار کے تعلیمی صفحہ کے انچارج مقرر ہوئے۔ اسی سال آپ کی دادی جان محترمہ غالم فاطمہ صاحبہ کا انتقال ہوا۔ اس صدمے نے ایک طویل عرصہ انہیں اپنی گرفت میں رکھا۔

1977ء: چچا زاد عائشہ پروین سے شادی ہوئی۔ اسی برس اشاعتی ادارے شیخ غلام علی اینڈ سنز سے وابستہ ہوئے اور جریدی کتابوں کے سلسلے'' روشن کتابیں'' کی مجلس مشاورت میں عین کاف خالد کے قلمی نام سے شامل ہوئے۔

1978ء: بچوں کے رسالہ'' جگنو'' کی ادارت سنبھالی۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز کو خیر باد کہہ کر چند روز ضیاء شاہد کے ہفت روزہ'' صحافت'' سے منسلک رہے۔ نذیر ناجی کے اخبار روزنامہ'' حیات'' سے بھی کچھ عرصہ وابستہ رہے۔

1979ء: ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اس دوران میں نامور رہنماؤں نوبزادہ نصر اللہ خان، محمد حنیف رامے اور تاج محمد خان جمالی کے انٹرویوز کئے۔ مختلف سیاسی شخصیات پر خاکے بھی لکھے

1980ء: ''خالدین'' کے نام سے اشاعتی ادارہ قائم کیا اور ادبی کتابیں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ مگر دو تین کتابیں شائع کرنے کے بعد ہمت جواب دے گئے پہلے بیٹے اعجاز خالد کی ولادت

1982ء: بڑی بیٹی فائزہ نصرت کی پیدائش

1983ء: گلبرک کیمبرج میں بطور اساتذہ ملازمت کی۔ اسی دوران میں ڈاکٹر عبدالرشید تبسم کا پندرہ روزہ'' انقلاب نو'' شائع کرنا شروع کیا مگر تین

شماروں کے بعد یہ سلسلہ بند کرنا پڑا۔

1985ء: پنجاب یونیورسٹی میں بطور پرائیویٹ امیدوار ایم اے اُردو کا امتحان پاس کیا۔ اس دوران پرائیویٹ ادارے بوعلی سینا سائنس کالج میں اُردو کا مضمون پڑھایا۔ حلقہ ارباب ذوق کے رکن بنے۔ دوسری بیٹی بشریٰ مریم کی ولادت

1987ء: بطور لیکچرار اُردو گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور میں تقرر ہوا۔ دوسرے بیٹے حفاظ توصیف احمد کی پیدائش

1988ء: گورنمنٹ ایف ایس سی کالج میں ایم اے اُردو کی تدریس وابستہ ہوئے۔

2000ء: گورڈن کالج راولپنڈی کے مجلہ ''گورڈونین'' کا سو سالہ خصوصی نمبر شائع کیا۔ گورنمنٹ ایجوکیشن کالج لوئر مال لاہور میں تبادلہ۔

2001ء: حکومت پنجاب کے تحت پہلی سے بارہویں جماعت کے اردو کے نصاب کی نظر ثانی اور تدوین کمیٹی کے کنوینر کی حیثیت سے تقرر۔ گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں تبادلہ۔ ایم۔اے اردو کی کلاسوں کی تدریس میں مامور ہوئے۔

2002ء: گورنمنٹ کالج آف سائنس لاہور میں تبادلہ۔ شاعری میں رومانی اوراخلاقی مضامین کا بیان نظم نگاری کی طرف توجہ۔

2003ء: گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن لوئر مال میں تبادلہ۔ والد گرامی عبدالقادر صاحب کے انتقال کا صدمہ جانکاہ جھیلنا پڑا

2004ء: یونیورسٹی آف ایجوکیشن کے ایم۔اے اردو وتدریس میں اردو کے نصاب کی تدوین میں شریک ہوئے اور ایم۔اے کی کلاس کو لسانیات کا پرچہ پڑھانا شروع کیا۔

2005ء: ڈاکٹر سہیل احمد خان کی نگرانی میں ممتاز ''مفتی کے افسانوی ادب میں نفسیات نگاری'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ یونیورسٹی آف ایجوکیشن کے تحت ایم فل اردو کی کلاس کے اجزاء پر ''تحقیق'' کا نصاب پڑھانے پر مامور ہوئے۔ بڑی بیٹی فائزہ نصرت کی شادی انیس الرحمٰن نس مقیم (لندن) سے انجام پائی۔

2006ء: تصنیف و تالیف کی طرف توجہ۔ نامکمل اور ادھورے منصوبوں کی تکمیل کا مصمم ارادہ۔ ''چند اور مضامین'' کے عنوان سے مضامین کے مجموعے کی اشاعت

ڈاکٹر عبدالکریم خالد کے مضامین کا پہلا باقاعدہ مجموعہ ''نئے پرانے مضامین'' کے نام سے ۱۹۹۸ء میں اظہار سنز لاہور نے شائع کیا۔ اس مجموعے میں درج ذیل سولہ مضامین شامل ہیں۔

(1) بیسویں صدی کی اردو نظم (2) بیسویں صدی کی اردو غزل (3) حبیب جونپوری۔ ایک مطالعہ (۴) ملاقاتیں ادھوری ہیں (عطاالحق قاسمی کی شاعری) (۵) احمد عقیل روبی کی خاکہ نگاری (6) شبیہ الحسن کی ترجیحات (7) امراؤ القیس۔ حُسن کا شاعر (8) نابغہ ذبیانی (9) زہیر بن ابی سلمیٰ (10) نامور مرثیہ گو۔ خنساء (11) حسان بن ثابت (12) تشبیب (13) واہ باقر صاحب (ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی رحلت پر) (14) آہ باقر صاحب (ڈاکٹر سجاد باقر رضوی کی پہلی برسی پر) (15) رومان کی موت (فرخندہ لودھی کی افسانہ نگاری کے بارے میں)

(16) کومل جذبوں کا شاعر (فرقان احمد قریشی کے حوالے سے)

ڈاکٹر عبدالکریم خالد اپنے اس تنقیدی مجموعے کے آغاز میں ''حرفِ اوّل'' کے عنوان سے رقمطراز ہیں۔ آپ اس اقتباس کا بغور مطالعہ فرمائیے اور دیکھئے کہ تخلیقِ ادب اور خصوصاً اس مجموعے کی ترتیب و تشکیل کے حوالے سے موصوف کی گراں قدر کیا رائے ہے۔

''اس کتاب میں شامل مضامین پڑھنے سے پہلے یہ بات دھیان میں رہے کہ ان مضامین کے لکھنے اور ترتیب دینے میں کسی منصوبہ بندی کا دخل نہیں۔ یہ مضامین گزشتہ بیس پچیس برس کے دوران میں مختلف ادبی رسائل اور اخبارات میں شائع ہوتے رہے اور ان کے بارے میں مجھے سان گمان بھی نہ تھا کہ یہ کسی وقت کتاب کی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ قاری ان مضامین کا کیا مول لگاتا ہے اور ادب کے ''پڑے'' انہیں درخورِ اعتنا سمجھتے بھی ہیں یا نہیں۔ میں اس سلسلے میں کسی تردّد میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میں اس امر پر یقین رکھتا ہوں کہ لکھنے والے کو بے دھڑک ہو کر اپنی بات کہنی چاہیے اور اس فکر سے آزاد ہو جانا چاہیے کہ اس کا مول تول کرنے والے اسے کس خانے میں رکھتے ہیں۔ مجھے اپنے بارے میں کبھی خوش فہمی نہیں رہی کہ میں کوئی بہت اچھا لکھنے والا ہوں لیکن ایک بات ضرور کہوں گا کہ میں نے اپنے استادوں کے قدموں میں بیٹھ کر انہیں بولتے سنا ہے۔ ان کے لکھے ہوئے جملے پڑھے ہیں۔ ان سے پوچھ پاچھ کر چند اچھی کتابوں کے نام یاد کئے ہیں اور بس۔ میری کل یافت یہی ہے اور اسی اندوختے کے سہارے

میں نے قلم سے تھوڑی بہت شناسائی حاصل کی ہے قلم مجھ پر مہربان ہے اور اس نے مجھے شرمندہ نہیں ہونے دیا۔''

(عبدالکریم خالد نئے پرانے مضامین (حرفِ اول) لاہور اظہار سنز 1998 صفحہ 8)

ڈاکٹر عبدالکریم خالد ادب کو جدید تناظر میں دیکھنے کے عادی ہیں۔ راقم الحروف کے استفسار پر انہوں نے ''اکیسویں صدی کے نظریۂ ادب'' پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ:

''اکیسویں صدی عالمی سطح پر ایک ہمہ گیر انقلاب کی صدی ہے۔ یہ انقلاب انسان کی روح اور اس کے قلب ونظر میں کشادگی پیدا کر کے روحانی، اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی تغیرات کو جنم دے گا۔ ملتِ واحدہ کا حقیقی تصور اسی انقلاب سے وابستہ ہے۔ ادب کی موجودہ ہیئت حیرت انگیز طور پر منقلب ہو کر ایک نیا رخ اختیار کرے گی اور ہر نوع کا ادب ایک وحدت میں ڈھل کر اعلیٰ درجے کی روحانیت اور لطیف وگداز کیفیات کو اجاگر کرنے کا باعث بنے گا۔ اس انقلاب آفریں دور کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہر صاحب دل اور صاحب نظر تخلیق کار اُن تازہ ہواؤں کے لمس کو محسوس کرنے لگا ہے جو دھیرے دھیرے چل رہی ہیں۔ مصائب وحوادث جب بھی آتے ہیں تو اقدار کے ساتھ اپنے پیچھے ایک قافلہ مشکبار موسموں کا بھی تیار رکھتے ہیں۔ اے کاش ہم بھی دیکھیں کہ نئے موسموں کے پھول کس کس کے دامن کو گلغدار بناتے ہیں۔ ہم نہیں تو دیکھنے والے دیکھیں گے۔''

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نئے موسموں کے پھلوں کے ذائقوں سے بھی لطف اندوز کرے اور وہ اکیسویں صدی کی مہک سے بھی لطف اندوز ہوں۔ اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ عصر حاضر میں ہمارے ادب کش معاشرے میں سنجید فکر تخلیق کاروں کا قحط ہے۔ اس قحط الرجال میں ڈاکٹر عبدالکریم خالد کا دم غنیمت ہے کہ وہ دنیاوی حرص وآز سے لاتعلق ہو کر علم وادب کی شمع جلائے بیٹھے ہیں اور علم وادب کے سینکڑوں پرستار اس روشنی سے بیش از بیش فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے سنجیدہ فکر ناقدین کے افکار ونظریات کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے اور معاشرے میں ان کے مقام و مرتبے کا بارِ دیگر تعین کیا جائے۔ اگر ہم نے اسی علم دوست شخصیات اور صاحبان فہم وذکا کی عزت افزائی نہ کی تو آنے والا زمانہ ہمیں معاف نہیں کرے گا۔

(بحوالہ نیرنگ خیال جولائی 2006 صفحہ 7 تا 13)

ڈاکٹر عبدالکریم خالد

چلے تو ہم رکاب تھا چراغ تیری یاد کا
جلا لیا بجھا لیا چراغ تیری یاد کا
گلاب رنگ ساعتوں کی روشنی بکھر گئی
جہاں جہاں جلا دیا چراغ تیری یاد کا
مکیں چلے گئے کہیں بھرے مکان چھوڑ کر
اور آنگنوں میں رہ گیا چراغ تیری یاد کا
جہاں پہ تیری آہٹوں کا گماں ہوا
وہیں پہ لاکر رکھ دیا چراغ تیری یاد کا
کہیں ستارۂ سحر نوید دے گیا ہمیں
کہیں یہ چاند بن گیا چراغ تیری یاد کا
وہ خوش جمال کیا ہوئے جو محفلوں کی جان تھے
وہ جن کے ساتھ ہی گیا چراغ تیری یاد کا
مسافر ان دشت نے نہ جانے کس مقام پر
ہتھیلیوں پہ رکھ لیا چراغ تیری یاد کا
سارے دشتِ آگہی میں تلملا کے رہ گیا
مگر یہ دل نے کیا کیا چراغ تیری یاد کا
تجھے خبر نہ ہوسکی مرے خراب حال کی
شام سے جلا لیا چراغ تیری یاد کا

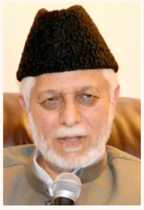

عطاء المجیب راشد

خلوص دل سے جو خالی ہو دوستی کیا ہے
دلوں کو نُور نہ بخشے وہ روشنی کیا ہے
ہجومِ یاس میں بس اِک وہی سہارا ہے
اگر وہ تھام لے مجھ کو تو پھر کمی کیا ہے
سجی ہوئی ہے جو یہ کائنات جس کے طفیل
دلوں میں وہ نہیں بستا تو زندگی کیا ہے
نصیب جس کو غلامی ہو شاہِ بطحا کی
نظر میں اُس کی بھلا تاج و سروری کیا ہے
خوشا نصیب جنہیں مل گیا وصالِ حبیب
وہی سکھاتے ہیں دنیا کو عاشقی کیا ہے
خدا کی راہ میں مرکر جو ہوگئے زندہ
انہی کے دم سے کھلا رازِ سرمدی کیا ہے

غزلیات

حمد شریف
رئیس اعظم حیدری

خدا کسی کو بھی بھوکا نہیں سلا تا ہے
یہ اور بات ہے بھوکا خدا جگاتا ہے
کسے خبر ہے کہاں سے ہوا یہ آتی ہے
جو صبح و شام خدا یہ ہوا چلاتا ہے
کبھی خوشی تو کبھی دیکے غم یہاں مجھ کو
خدا ہر ایک طرح سے بھی آزما تا ہے
مدد جو کرتا ہوں وہ رائیگاں نہیں ہوتی
خدا مرے لئے جنت میں گھر بناتا ہے
ھے مہربان ہمیشہ ہی اپنے بندوں پر
اناج کھیتوں سے ہر دم خدا اگا تا ہے
اسی سے پیاس ہمیشہ ہی ہم بجھاتے ہیں
جو آسمان سے پانی خدا گراتا ہے
یہ مصلحت ہے خدا کی خدا ہی جانے رئیس
کبھی ہنسا تاہے ہمکو کبھی رلاتا ہے

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

ہمیں اب تیرے رستے پوچھتے ہیں
مسافر ہو کہاں کے پوچھتے ہیں
بتا کن بستیوں کی سمت جائیں
ہوا سے اب یہ شعلے پوچھتے ہیں
کہاں میں آ گیا ہوں بے خودی میں
یہ کس کا در ہے سجدے پوچھتے ہیں
جو کل نفرت کے سوداگر تھے ہم سے
محبت کے طریقے پوچھتے ہیں
حقیقت میں ڈھلے گی کب یہ دنیا
میری آنکھوں کے سپنے پوچھتے ہیں
منوؔر کب جلو گے دیپ بن کر
یہ بستی کے اندھیرے پوچھتے ہیں

افتخار راغبؔ

تیرا چہرہ مرے خیالوں میں
چاند روشن ہو جیسے ہالوں میں
زندگی نوحہ گر تھی سڑکوں پر
موت کا رقص اسپتالوں میں
دے رہی تھی جواب خاموشی
ہم الجھتے گئے سوالوں میں
کوئی تیری مثال کیا دیتا
تو کہ بے مثل بے مثالوں میں
کب ذرا بھی وہ سنگ دل پگھلا
کب اثر آیا میرے نالوں میں
وہ بھی راغبؔ سدا رکھیں گے یاد
ایک پاگل تھا ملنے والوں میں

احمد ستی

وہ شخص مجھے پیارا ہے اسے کہنا
وہی جینے کا سہارا ہے اسے کہنا
سب لوگ پیارے ہیں مجھے لیکن
وہ سب سے پیارا ہے اسے کہنا
رکھے ہیں سرخ پھول ہم نے تیرے خط میں
یہ ایک اشارہ ہے اسے کہنا
محبتیں عداوتیں شکایتیں اس کی
مجھے سب گوارا ہے اسے کہنا
وہ دل مانگے یا مجھ سے جاں مانگے
کب کہا خسارہ ہے اسے کہنا
چا گڑھا ہے اور میں تھکا ہوا
بڑی دور کنارہ ہے اسے کہنا
ہیں چاہنے والے اور بھی احمد ستی لیکن
یہ دل تو بس تمہارا ہے اسے کہنا

شعری مجموعہ
آدھا پاگل سے انتخاب
افتخار راغبؔ دوحہ قطر

اِک چہرہ نایاب دِکھائی دیتا ہے
خوابوں میں بھی خواب دِکھائی دیتا ہے
اب تو سب کچھ واضح ہے اے پاگل دل
اب بھی کیوں بے تاب دِکھائی دیتا ہے
پہلی چاہت کا ننّھا سا پودا بھی
جیون بھر شاداب دِکھائی دیتا ہے
تیرے ہی جلووں سے مرے افسانے کا
روشن اِک اِک باب دِکھائی دیتا ہے
بستی کوئی بستی ہے جب سپنوں کی
بے موسم سیلاب دِکھائی دیتا ہے
جس دم بھی یوں ہی آنکھیں بھر آتی ہیں
عکس ترا غرقاب دِکھائی دیتا ہے

آنکھوں میں جب راغبؔ اُن کا چہرہ ہو
پھر کس کو مہتاب دِکھائی دیتا ہے

ساجد محمود رانا

دے کے گھر گھر دہائی مذہب کی
ہم نے عزت بچائی مذہب کی
میرے حصے میں آگ رہنے دیں
آپ کھائیں کمائی مذہب کی
شیعہ سنی ہو یا وہابی ہو
سب نے منڈی لگائی مذہب کی
اب یہ سُر ساز میں نہ آئے گا
بینڈ ایسی بجائی مذہب کی
تم بھی اچھے مقررین میں ہو
تم بھی دے لو صفائی مذہب کی
کتنے انسان اور مارو گے
کرتے کرتے بھلائی مذہب کی
اللہ اللہ کیا کرو بھائی
مت لڑو یہ لڑائی مذہب کی
کچھ تو رب پر بھی چھوڑ دو ساجد
چھوڑ دو یہ خدائی مذہب کی

اطہر حفیظ فراز

کہ اربوں دل دھڑکنے سے اچانک رک گئے ایسے
قیامت کی خبر یارو!! کہیں ہو وائرل جیسے
سماجی رابطہ ٹوٹا کہ جیسے سانس ہو ٹوٹی
ادھر واٹس ایپ رکا لوگو!! ادھر یہ فیس بک چھوٹی
کہیں انسٹا کی چاہت نے ادھورا کر دیا یکدم
سو پھر سے دور آدم میں چلا آیا ہے یہ آدم
مگر اک درس دے ڈالا ذرا سی ایک ہلچل نے
نظارہ کر لیا اس کا سبھی دنیا کے ہر دل نے
کسی کے چھوٹ جانے سے کوئی مرتو نہیں جاتا
جو مر جائے حقیقت میں وہ پھر گھر تو نہیں جاتا

ابن انشاء

اب عمر کی نقدی ختم ہوئی
اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے
ہے کوئی جو ساہوکار بنے
ہے کوئی جو دیون ہار بنے
کچھ سال، مہینے، دن لوگو
پر سود بیاج کے بن لوگو
ہاں اپنی جاں کے خزانے سے
ہاں عمر کے توشہ خانے سے
کیا کوئی بھی ساہو کار نہیں؟
کیا کوئی بھی دیون ہار نہیں؟
جب نام ادھار کا آیا ہے
کیوں سب نے سر کو جھکایا ہے
کچھ کام ہمیں نپٹانے ہیں
جنہیں جاننے والے جانے ہیں
کچھ پیار دلار کے دھندے ہیں
کچھ جگ کے دوسرے پھندے ہیں
ہم مانگتے نہیں ہزار برس
دس پانچ برس دو چار برس
ہاں سود بیاج بھی دے لیں گے
ہاں اور خراج بھی دے لیں گے
آسان بنے، دشوار بنے
پر کوئی تو دیون ہار بنے
تم کون ہو تمہارا نام کیا ہے
کچھ ہم سے تم کو کام کیا ہے
کیوں اس مجمع میں آئی ہو
کچھ مانگتی ہو؟ کچھ لاتی ہو
یہ کاروبار کی باتیں ہیں
یہ نقد ادھار کی باتیں ہیں
ہم بیٹھے ہیں کشکول لیے
سب عمر کی نقدی ختم کیے
گر شعر کے رشتے آئی ہو
تب سمجھو جلد جدائی ہو
اب گیت گیا سنگیت گیا
ہاں شعر کا موسم بیت گیا
اب پت جھڑ آئی پات گریں
کچھ صبح گریں، کچھ رات گریں
یہ اپنے یار پرانے ہیں
اک عمر سے ہم کو جانے ہیں
ان سب کے پاس ہے مال بہت
ہاں عمر کے ماہ و سال بہت
ان سب کو ہم نے بلایا ہے
اور جھولی کو پھیلایا ہے
تم جاؤ ان سے بات کریں
ہم تم سے نا ملاقات کریں
کیا پانچ برس؟
کیا عمر اپنی کے پانچ برس؟
تم جا ن کی تھیلی لائی ہو؟
کیا پاگل ہو؟ سو دائی ہو؟
جب عمر کا آخر آتا ہے
ہر دن صدیاں بن جاتا ہے
جینے کی ہوس نرالی ہے

ہے کون جو اس سے خالی ہے
کیا موت سے پہلے مرنا ہے؟
تم کو تو بہت کچھ کرنا ہے
پھر تم ہو ہماری کون بھلا
ہاں تم سے ہمارا رشتہ کیا ہے
کیا سود بیاج کا لالچ ہے؟
کسی اور خراج کا لالچ ہے؟
تم سوہنی ہو، من موہنی ہو؛
تم جا کر پوری عمر جیو
یہ پانچ برس، یہ چار برس
چھن جائیں تو لگیں ہزار برس
سب دوست گئے سب یار گئے
تھے جتنے ساہوکار گئے
بس ایک یہ ناری بیٹھی ہے
یہ کون ہے؟ کیا ہے؟ کیسی ہے؟
ہاں عمر ہمیں درکار بھی ہے؟
ہاں جینے سے ہمیں پیار بھی ہے
جب مانگیں جیون کی گھڑیاں
گستاخ اکھیں کتھے جا لڑیاں
ہم قرض تمہیں لوٹا دیں گے
کچھ اور بھی گھڑیاں لادیں گے
جو ساعت و ماہ و سال نہیں
وہ گھڑیاں جن کو زوال نہیں
لو اپنے جی میں اُتار لیا
لو ہم نے تم سے ادھار لیا

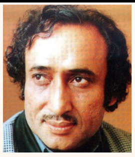

محسن نقوی

آوارگی میں ہم نے
اس کو بھی ہنر جانا
اِقرارِ وفا کرنا
پھر اس سے مُکر جانا
جب خواب نہیں کوئی
اس عمر کا کیا کرنا
ہر صبح کو جی اُٹھنا
ہر رات کو مر جانا
شب بھر کے ٹھکانے کو
اک چھت کے سِوا کیا ہے
کیا وقت پہ گھر جانا
کیا دیر سے گھر جانا
ایسا نہ ہو دریا میں
تم بارِ گراں ٹھہرو
جب لوگ زیادہ ہوں
کشتی سے اتر جانا
سقراط کے پینے سے
کیا مجھ پہ عیاں ہوتا
خود زہر پیا میں نے
تب اس کا اثر جانا
تم جب بھی نظر آئے
ہم تم کو پکاریں گے
چاہو تو ٹھہر جانا
چاہو تو گزر جانا

ڈاکٹر شمشاد شاد

طرح پر بیاض سے ایک کلام
قصرِ ہستی سے اُتر کر دیکھنا
ڈوبتے سورج کا منظر دیکھنا
حال کو بہتر بنانا ہے تو پھر
صفحہ ماضی اُلٹ کر دیکھنا
طیش میں آکر کبھی پیروں سے تم
اپنے سائے کو کچل کر دیکھنا
پہلے بھی آتی رہی ہے، آج بھی
آئے گی تہمت مجھی پر دیکھنا
تم پہ مرنے والوں کی فہرست میں
نام میرا سب سے اُوپر دیکھنا
جس سمندر کے تحمل پر ہے ناز
چاندنی میں اس کے تیور دیکھنا
شرک ہے قرآں کی رُو سے دوستو
یوں لکیروں میں مقدر دیکھنا
ساتھ چلنے میں مزہ کتنا ہے شادؔ
تم ہمارے ساتھ چل کر دیکھنا

چھپن انچوں والے
ظفر حبیبی

یوں تو منصب وار بڑے ہو چھپن انچوں والے
قوم کے تم غدّار بڑے ہو چھپن انچوں والے
دیش پریمی دیس کا سیوک خود کو ہو بتلاتے
لیکن تم عیّار بڑے ہو چھپن انچوں والے
بھائیو! بہنو! سے کرتے ہو جنتا کو سمبودھن
سچ ہے مکار بڑے ہو چھپن انچوں والے
دکھ پہ ہمارے تم ہی بہاتے ہو آنسو بھی خوب
قتل کے تم ہتھیار بڑے ہو چھپن انچوں والے
ثابت ہے کرتوتوں سے تم نے کیا ہے جو بھی
ظالم اور خونخوار بڑے ہو چھپن انچوں والے

ڈاکٹر مقصود جعفری

وفاؤں کے صلے میں اب وفائیں کون دیتا ہے
بجھی خاکسترِ جاں کو اب ہوائیں کون دیتا ہے

فضاؤں میں گھٹائیں دستِ قدرت کا نتیجہ ہیں
مگر اس زلفِ مشکیں کو گھٹائیں کون دیتا ہے
کسی آسیب کا سایہ ہے لرزاں میرے پہلو میں
اندھیری شب میں یہ مجھ کو صدائیں کون دیتا ہے
یقیناً یہ میری ماں ہی سرِ بالیں کھڑی ہو گی
فغانِ نیم شب میں یہ دعائیں کون دیتا ہے
مجھے کردہ گناہوں کی سزائیں تو نے دے دی ہیں
گناہِ بے گناہی کی سزائیں کون دیتا ہے
جفا کاری نہیں شیوہ اربابِ دل تو پھر
مجھے آخر پسِ پردہ جفائیں کون دیتا ہے
حسینوں کی ادائیں جعفریؔ ہیں دلربا لیکن
گلوں کو شاخِ گل پر یہ ادائیں کون دیتا ہے

ادا جعفری

ماہِ رو جتنے ہیں وہ سب عاشقوں کی زد میں ہیں
ہم اسیرانِ محبت مہ رُخوں کی زد میں ہیں
کس طرح کہہ دیں یہاں ہم دشمنوں کی زد میں ہیں
دوستو ہم تو یہاں پر دوستوں کی زد میں ہیں
ہم قدم رکھیں زمیں پر یہ تو ممکن ہی نہیں
راہِ اُلفت کے مسافر دلدلوں کی زد میں ہیں
کب عوامی راج دیکھے گی یہ قومِ بد نصیب
مدتوں سے ہم یہاں پر آمروں کی زد میں ہیں
ہم تو انبوہِ جہالت کی حالت میں گھرے ہیں روز و شب
محفل دانشوراں میں جاہلوں کی زد میں ہیں
قُمریاں محوِ طوافِ سرو تھیں جو کل تلک
آج لیکن سرو سارے قمریوں کی زد میں ہیں
کیا قیامت کی گھڑی نزدیک آئی جعفریؔ
یہ زمین و آسماں کیوں زلزلوں کی زد میں ہیں

آغا نیاز مگسی

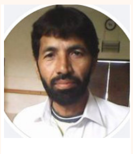

جہاں میں جو بھی جیتا ہے وہ مرتا ہے بہر صورت
کہ مشکل وقت بھی ایسے گزرتا ہے بہر صورت
جوانی کا یا دولت کا محبت کا یا نفرت کا
نشہ جو بھی ہو جیسا ہو اترتا ہے بہر صورت
شبِ غم یا شبِ فرقت کبھی کاٹی نہیں کٹتیں
مگر سورج وہاں بھی تو ابھرتا ہے بہر صورت
بلندی پر رہو جتنا مگر انجام مت بھولو
کہ آخر ٹوٹ کر انساں بکھرتا ہے بہر صورت
ہمارے درمیاں جو بھی تعلق ہے غنیمت ہے
زمیں پر پھول اُگتا ہے نکھرتا ہے بہر صورت
کہ ہم انسان ہیں آخر فرشتے ہم نہیں آغا
بگڑ کر آدمی آخر سدھرتا ہے بہر صورت

ادبِ اطفال (رانی اور نانی)

رئیس اعظم حیدری

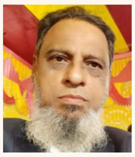

ایک تھا راجہ ایک تھی رانی
بلکل ہے یہ سچی کہانی
سیر میں نکلے دونوں اک دن
شکل میں انساں کی آئے جن
راہ میں دیکھا جنگل اس نے
آیا سامنے منگل اس کے
راجہ، جنگل میں کیوں آئے
پل میں شیر یہاں کھا جائے
بھاگو اس جنگل سے جلدی
بچ نہ سکو گے راجہ رانی
بھاگے نکل کر جنگل سے یوں
گاؤں میں پہنچے دوڑ کے دونوں
پیاس لگی ہے جب رانی کو
پینے دوڑی وہ پانی کو
آئی ادھر سے بڑھیا نانی
کیا کرتی ہو بولو رانی
رانی بولی پیوں گی پانی
نانی بولی کس کا ہے پانی
میرا کنواں ہے سن لو رانی
شرط ہے میری دیکھو رانی
پینا اگر ہے تم کو پانی
مان لو میرا کہنا رانی
شرط ہے کیا تمہی بولو نانی
پوری کرے گی شرط یہ رانی
شرط یہ پوری کرنی ہوگی
آدھی حکومت دینی ہوگی
شرط تری منظور ہے نانی
نانی پلا دے جلد ہی پانی
دے دی اجازت نانی نے پھر
پانی پی لی رانی نے پھر
پانی پی کر بولی رانی
میں تو مر ہی جاتی نانی
دم ہی نکل جاتا جب میرا
ہاتھ میں کیا آتا پھر میرا
رانی نے دی آدھی حکومت
پاکر نانی اپنی حکومت
دے دی غریبوں کو یہ حکو مت
خوب کمائی نانی جنت

نظیر اکبر آبادی

حسین فلک پہ چمکتا ہوا ثریا تھا
مری نظر کو وہ لگتا بھلا ثریا تھا
حسین ماتھے کو دلبر کے جب بھی دیکھا ہے
مری نگاہ میں جھومر نما ثریا تھا
بھری جو مانگ میں افشاں تو اس نے ایسا لگا
صنم کے سر پہ اوڑھایا رِدا ثریا تھا
نظر کو ہٹنے نہ دیتا تھا اپنی مرکز سے
اندھیری رات میں جو پر ضیا ثریّا تھا
شبِ فراق میں دیکھا ہے بارہا میں نے
کہ ساتھ ساتھ مرے رو رہا ثریّا تھا
سنا ہے ہم نے یہی بزرگوں سے بچپن میں
مسافروں کے لئے رہنما ثریا تھا
بڑی حسین تھیں گھڑیاں وصال کی اکبرؔ
ہماری خوشیوں میں شامل ہوا ثریّا تھا

انور مسعود

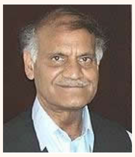

اس ابتدا کی سلیقے سے انتہا کرتے
وہ ایک بار ملے تھے تو پھر ملا کرتے
کواڑ گرچہ مقفل تھے اس حویلی کے
مگر فقیر گزرتے رہے صدا کرتے
ہمیں قرینہ رنجش کہاں میسر ہے
ہم اپنے بس میں جو ہوتے ترا گلا کرتے
تری جفا کا فلک سے نہ تذکرہ چھیڑا
ہنر کی بات کسی کم ہنر سے کیا کرتے
تجھے نہیں ہے ابھی فرصت کرم نہ سہی
تھکے نہیں ہیں مرے ہاتھ بھی دُعا کرتے
انہیں شکایت بے ربطی سخن تھی مگر
جھجک رہا تھا میں اظہار مدعا کرتے
چقیں گری تھیں دریچوں پہ چار سو انورؔ
نظر جھکا کر نہ چلتے تو اور کیا کرتے

مسعود چوہدری

اُن کا ورود کاشف اسرار ہوگیا
عام تمام مطلع انوار ہوگیا
نگہ کرم سے کردیا ذرے کو آفتاب
جس پہ نگاہ کی وہی شہکار ہوگیا
ہر ذرہ نسل آدم خاکی کا دیکھئے
خورشید کے حضور میں بیدار ہوگیا
جس کے بھی دل میں بس گئی اُلفت حضور کی
لالچ سے اور حرص سے بے زار ہوگیا
جو نور آب و تاب جہاں کی بنا ہوا
ظلمت کے واسطے وہی تلوار ہوگیا
نازل ہوا جو آپ پہ قرآن یا نبی
مصحف بنا کہیں کہیں گفتار ہوگیا
جو میر کائنات کے قدموں میں آ گیا
وہ دین دار عزم کا مینار ہوگیا
کیوں اس کے دل میں خوف وخطر کا گزر رہے
دیوانہ جو بھی آپ کا سرکار ہوگیا
آپ آگئے جو خواب کے عالم میں رُو برو
خوش بخت ہوں کہ آپ کا دیدار ہوگیا
اب تو بلا ہی لیجئے در پر مجھے حضور
اب تو مرا شعور بھی بیدار ہوگیا
مسعود کب وہ کرتا ہے جاہ و حشم کی بات
جو بھی غلام احمد مختار ہوگیا

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

خدا نے جہاں میں اُتارے محمد
نبی آخری ہیں ہمارے محمد
دکھایا ہے رب نے تو اپنا ہی جلوہ
ہیں دونوں جہاں کے سہارے محمد
ہے خوش بخت وہ ایک جھولی کہ جس میں
مرے پیارے رب نے اتارے محمد
حلیمہ ہے نازاں نصیبوں پہ اپنے
کہ آنگن میں کھیلے دلارے محمد
تصور میں میرے ہے کعبے کی رونق
دلوں میں بسے ہیں ہمارے محمّد
درودوں کو اوڑھوں میں جاؤں مدینے
جہاں سو رہے ہیں دلارے محمّدؐ
مچلتی ہے حسرت کہ طیبہ کو دیکھوں
جہاں لائے کیا کیا نظارے محمد
وہ شق القمر کا ہوا معجزہ جب
تو کافر بھی اس دم پکارے محمد
انہیں عرش کے سب نظارے دکھا کر
بتایا کہ یہ ہیں تمہارے محمد
پڑھیں ان کے کہنے پہ پتھر بھی کلمہ
رہ رہ پکاریں پیارے محمد
جہاں کی حقیقت، ہے ختم نبوت
جہاں سارا بس اب پکارے محمد
یہی ہے عقیدت، یہی ہے محبت
ہراک زرہ بولے ہمارے محمد
مجھے آئے آواز محشر میں شاہین
تری آخرت کو سنوارے محمد
ہے شاہین جو ڈوبنے کو سفینہ
لگائیں گے اس کو کنارے محمد

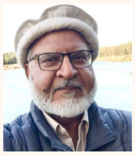

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

سرور، دل میں محبت جو بھرتی جاتی ہے
قرار، روح اسی سے تو پاتی جاتی ہے
متاعِ علم و ہنر سے بنے بڑا انساں
وگرنہ دولتِ دنیا تو آتی جاتی ہے
ہوں خُلق اعلیٰ رہے گا تبھی حسیں انساں
وگرنہ عمر تو چہرے بدلتی جاتی ہے
کمال ہے یہی انساں کا ہو وہ رُو بخدا
وگرنہ زندگی یونہی گزرتی جاتی ہے
زمیں پہ سجدہ پہنچتا ہے عرش پر کیسے
ہے عاجزی جو اسے اس قدر اٹھاتی ہے
محبّت آشنا کرتی ہے اور دنیا سے
یہ اس جہان سے بیگانہ کرتی جاتی ہے
طلسمِ حُسنِ ازل دیکھ کر ہوئے قائل
وہی کشش ہمیں تنہائی میں رلاتی ہے
ہوا ہے کیا تمہیں طارق خموش بیٹھے ہو
تمہاری خامشی قصے کئی سناتی ہے

افتخار راغب

یوں خندہ زن چمن پہ بیاباں نہ تھا کبھی
ایسی خزاں کی زد میں گلستاں نہ تھا کبھی
پتّھر کا دل بھی پگھلے گا اِس سوزِ عشق سے
بھیجیں گے مجھ کو پھول وہ امکاں نہ تھا کبھی
چہروں پہ کتنے چہرے ہیں سچ میں ہے کتنا جھوٹ
حیران اتنا دید حیراں نہ تھا کبھی
پہلے کہاں تھی اتنی مکدر فضائے امن
یوں طائرِ اماں بھی پر افشاں نہ تھا کبھی
تم دور ہی سے دیکھ کے شاید پلٹ گئے
در پر دلِ شکستہ کے درباں نہ تھا کبھی
کس طرح میں بیاں کروں اے دل تمھارا حال
اقرار اپنے جرم کا آساں نہ تھا کبھی
تم پاس تھے تو تم سے بچھڑنے کا خوف تھا
دل کو مرے قرار مری جاں نہ تھا کبھی
لگتا ہے یہ بھی ایک علامت ہے عشق کی
دل اتنا اپنے بخت پہ نازاں نہ تھا کبھی
اے عشق کیوں نہ موردِ الزام ٹھہرے تو
دل سے میں اپنے اتنا پریشاں نہ تھا کبھی
کس طرح مان لوں اسے آزادیوں کا دور
لگتا ہے اتنا خوف میں انساں نہ تھا کبھی
یاروں نے جو بھی سمجھا ہو راغبؔ مجھے پہ میں
سہل الحصول ہو کے بھی ارزاں نہ تھا کبھی

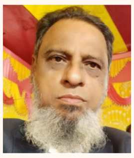

رئیس اعظم حیدری کولکاتا

حیرت زدہ نظر ہے پر دے اٹھا دیئے ہیں
اک لفظ 'کن' میں کیا کیا جلوے دکھا دیئے ہیں
تنہا نہیں ہو تم ہی دار و رسن کے شیدا
نوک سناں پہ ہم نے بھی سر سجا دیئے ہیں
نرغے میں دشمنوں کے ہم نے جلائی کشتی
پیر فلک نے شائد وہ دن دکھا دیئے ہیں
دشوار ہوگیا ہے اب تو شمار کرنا
برق تپاں نے اتنے گلشن جلا دیئے ہیں
اس جور ناروا پہ کھلتی نہیں زباں کیوں
کس نے تری زباں پر تالے لگا دیئے ہیں
کچھ حوصلہ ملاہے منصور کی صدا سے
کچھ حوصلے ہمارے تم نے بڑھا دیئے ہیں
تحسین کی صدا سے گونجی رئیس محفل
بزمِ سخن میں تم نے کیا گل کھلا دیئے ہیں

عبدالشکور، کلیولینڈ اوہائیو

رونقِ بام و در تو تجھ سے ہے
زندگی میں سحر تو تجھ سے ہے
سبزہ و گُل کا اور خُوشبُو کا
اِس چمن میں گزر تو تجھ سے ہے
تیری فُرقت میں جی تو لیتے ہیں
زندگی کا ہُنر تو تجھ سے ہے
نالِ نیم شب میں بے تابی
اور دُعا میں اثر تو تجھ سے ہے
قرضِ جاں ہم چُکا تو دیتے مگر
نقدِ جاں کا سفر تو تجھ سے ہے

ڈاکٹر منورؔ احمد کنڈے

تشنگی کے سوا کوئی ہمسر نہیں
راستے میں ہمارے سمندر نہیں
آگ میں بستیاں جھونکنے آئے ہو
کیا تمہارا کوئی گھاس کا گھر نہیں
وقت کی سازشیں کس کے سر تھوپ دوں
دوست میرا تو کوئی ستمگر نہیں
کیا ہوئے کہکشاں کے حسیں قافلے
شب کے ماتھے پہ کوئی بھی جھومر نہیں
سر پہ سورج جو آیا تو پھر یہ ہوا
میرا سایہ بھی میرے برابر نہیں
دل کی حالت بتائیں کسے شہر میں
کوئی ہم راز اپنا منورؔ نہیں

گلزار

خوشبو جیسے لوگ ملے افسانے میں
ایک پرانا خط کھولا انجانے میں
جانے کس کا ذکر تھا اس افسانے میں
درد مزے لیتا ہے جو دہرانے میں
شام کے سائے بالشتوں سے ناپے ہیں
چاند نے کتنی دیر لگا دی آنے میں
رات گذرتے شاید تھوڑا وقت لگے
ذرا سی دھوپ انڈیل میرے پیمانے میں
دل پر دستک دینے کون آ نکلا ہے
کس کی آہٹ سنتا ہوں ویرانے میں

طفیل عامر

چنگا نئیں گزارا سی
ڈاڈھے ہتھ وچارا سی
ساتھی میرے جاگن دا
سرگی دا اک تارا سی
سچ دے پاسے سچ اکو
جھوٹھے ول جگ سارا سی
جیہڑا ہاسا توں سنیا
اپنا نئیں ادھارا سی
پنڈ کدی نہ چھڈ دا میں
دس، بھلا کوئی چارا سی
پرھیا وچ نہ آیوں توں
ہونا اج نتارا سی
کسے نیں جو کیتا عامر
اوس نوں کھاندا وارا سی

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

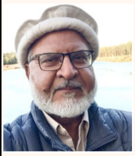

میں ترا ہجر بھلا کیسے گوارا کرتا
کیا تری یاد میں رو رو کے گزارا کرتا
آئینہ دیکھ کے صورت تو سنواری اپنی
کاش میں تیری طرح روح سنوارا کرتا
معصیت دھول بنی چہرے پہ آ بیٹھی ہے
پاس ہوتا جو ترے خود کو نکھارا کرتا
امتحانوں سے گزر کر تو یہاں آیا ہوں
تو نہ ہوتا تو میں ہر روز ہی ہارا کرتا
جب مرا تیرے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں
میں بھلا تیرے سوا کس کو پکارا کرتا
تیرگی میں جو مجھے روشنی آئی ہے نظر
کب تلک دور سے بیٹھا میں نظارا کرتا
آتشِ عشق مرے دل میں سلگتی ہی رہی
راکھ بن جاتا اگر دور شرارا کرتا
آبلہ پا ہوں تو اب رستے سے شکوہ کیسا
جاں لٹا دیتا وہیں گر وہ اشارا کرتا
ایک جیون نہیں گر اور بھی ہوتے طارق
میں کسی طور بھی اس سے نہ کنارا کرتا

شائق نصیر پوری

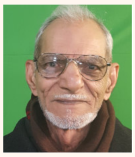

ہم نے جو عنوان سجایا
اُس پر ہر دیوان سجایا
دہلیزوں پہ کوشش رکھی
طاقوں میں ارمان سجایا
اپنے دل کی بارہ دری میں
ہم نے اک سلطان سجایا
دل میں کیسی کلیاں مہکیں
جب بھی تیرا دھیان سجایا
لوگوں نے گھر بھار سجائے
ہم نے دل میں گیان سجایا
ہجر میں تیرے شائق نے
پلکوں پر طوفان سجایا

عاصی صحرائی

ایک عرصے سے جس پہ پت جھڑ کا موسم ہے
اس گلستاں کو سدا بہار کرنا ہے مجھے
یاں بولعجب سردار بن گئے ہیں
شعور و آگہی کو عام کرنا ہے مجھے
رہزن بن گئے رہبر مری قوم کے
اصل رہبری کا دستور عام کرنا ہے مجھے
آمروں نے عقل چاٹ لی عوام کی
عدل فاروقی کی رسم عام کرنا ہے مجھے
پی رہے ہیں بے حسی اور طمع کا زہر جو
ان میں احساس خودی عام کرنا ہے مجھے
دفن کرکے صحرائی اب جہل اور انانیت
اذہان میں فرزانگی عام کرنا ہے مجھے

شفیق مراد۔ جرمنی

آخرش انسان کی سوچوں سے ہاری کائنات
ایک ذرّے میں سمٹ آئی ہے ساری کائنات
اٹ گئے بارود کے دھبوں میں اس کے خدوخال
تو نے کتنی چاہ سے مولا سنواری کائنات
وہ بتاتا جا رہا تھا آسماں کے راستے
اس نے ہاتھوں کی لکیروں سے گزاری کائنات

اک فسانہ ہے، حقیقت ہے کہ کوئی خواب ہے؟
اے خدا تو ہی بتا کیا ہے ہماری کائنات
یہ وہ افسانہ ہے جس کو دستِ قدرت نے لکھا
اس فسانے کا یہاں ہر شخص قاری کائنات
آبشاریں، دشت و دریا اور گل و بلبل کے گیت
ہے کتابِ عشق سے تو نے اتاری کائنات
دستِ قدرت نے بہت ہی شوق سے لکھا مرآد
کیوں فسانہ بن گئی ہے اب ہماری کائنات

صاحبزادی امۃ القدوس صاحبہ

کچھ آج بزمِ دوستاں میں ایک گھر کی بات ہو
چمن کے رنگ و بُو، حسین بام و دَر کی بات ہو
خلوصِ دل کی بات، خُوبیٔ نظر کی بات ہو
وہ قصر ہو، محل ہو یا بڑا سا اک مکان ہو
ہے بات سب کی ایک ہی
یہ سب تو خشتِ مرمریں کا بس حسین ڈھیر ہیں
ہاں گھر کی بات اَور ہے
گو چھوٹا سا مکان ہو
یہ موسموں کے گرم و سرد سے مجھے بچا سکے
وہ میرا سائبان ہو
مری نظر میں گھر ہے وہ
میرے عزیز دوستو!
جہاں محبتیں بھی ہوں
جہاں رفاقتیں بھی ہوں
جہاں خلوصِ دل بھی ہو
جہاں صداقتیں بھی ہوں
جہاں ہو احترام بھی
جہاں عقیدتیں بھی ہوں
جہاں ہو کچھ لحاظ بھی
جہاں مروّتیں بھی ہوں
جہاں نوازشیں بھی ہوں
جہاں عنائتیں بھی ہوں
جہاں ہو ذکرِ یار بھی
جہاں عبادتیں بھی ہوں
کسی حسین، دلنواز کی حکائتیں بھی ہوں
جہاں نہ ہوں کدورتیں
جہاں نہ ہوں عداوتیں
دل ونگاہ وفکر کی
جہاں نہ ہوں کثافتیں
یہ ایسی اک جگہ ہے کہ جسے مَیں اپنا کہہ سکوں
جہاں میں سُکھ سے جی سکوں
جہاں سکوں سے رَہ سکوں
جہاں کے رہنے والے ایک دوسرے پہ جان دیں
بھرم محبتوں کا اور عزتوں کا مان دیں
وہ جن کے سینے چاہت وخلوص کا جہان ہوں
جبیں پہ جن کی ثبت پیار کے حسیں نشان ہوں
جہاں نہ بدلحاظ ہو کوئی نہ بدزبان ہو
جہاں نہ بدسرشت ہو کوئی نہ بدگمان ہو
جہاں بڑوں کی شفقتوں کا میرے سر پہ ہاتھ ہو
تو دوستوں کی چاہتوں کا بھی حسین ساتھ ہو
نہ جس جگہ دکھائی دیں اَنا کی کج ادائیاں
گو خامیاں ہزار ہوں
پہ ہوں نہ جگ ہنسائیاں
جہاں بسر ہو زندگی محبتوں کی چھاؤں میں
ہو باس پیار کی جہاں رچی ہوئی فضاؤں میں
دمک رہے ہوں بام و دَر بھی روشنی سے پیار کی
ہو جس چمن کی ہر کلی پیامبر بہار کی
ہوں جسم گو تھکے ہوئے
پہ رُوح نہ ملول ہو
کسی کے دل میں کھوٹ نہ کسی کے مَن پہ دھول ہو
مری یہ آرزو ہے
جو بھی میرے گھر کا فرد ہو
نہ اس کا لہجہ گرم ہو نہ اس کا سینہ سَرد ہو
مرے عزیز دوستو!
یہ گھر تو وہ مقام ہے
جہاں سکون مِل سکے
جہاں قرار تو ملے
جہاں محبتیں ملیں
جہاں سے پیار تو ملے
جہاں تحفظ وخلوص واختیار تو ملے
جہاں دلوں کو چین ذہن کو نکھار تو ملے
جہاں سے احترامِ ذات کا وقار تو ملے
کسی کی ذاتِ معتبر کا اعتبار تو ملے
یہ افتخار تو ملے
یہی تو وہ مقام ہے کہ جو مجھے عزیز ہے
یہ گھر عجیب چیز ہے
مجھے بہت عزیز ہے
مجھے بہت عزیز ہے

جان نثار اختر

ہم نے کاٹی ہیں تری یاد میں راتیں اکثر
دل سے گزری ہیں ستاروں کی براتیں اکثر
اور تو کون ہے جو مجھ کو تسلی دیتا
ہاتھ رکھ دیتی ہیں دل پر تری باتیں اکثر
حسن شائستہ تہذیب الم ہے شاید

غم زدہ لگتی ہیں کیوں چاندنی راتیں اکثر
حال کہنا ہے کسی سے تو مخاطب ہے کوئی
کتنی دلچسپ ہوا کرتی ہیں باتیں اکثر
عشق رہزن نہ سہی عشق کے ہاتھوں پھر بھی
ہم نے لٹتی ہوئی دیکھی ہیں براتیں اکثر
ہم سے اک بار بھی جیتا ہے نہ جیتے گا کوئی
وہ تو ہم جان کے کھا لیتے ہیں ماتیں اکثر
ان سے پوچھو کبھی چہرے بھی پڑھے ہیں تم نے
جو کتابوں کی کیا کرتے ہیں باتیں اکثر
ہم نے ان تند ہواؤں میں جلائے ہیں چراغ
جن ہواؤں نے اُلٹ دی ہیں بساطیں اکثر

وسیم احمد محمود بٹ

ہے نقش دل پہ کندہ وہ یار میرے ہمدم
یکتا ہے جس کا ہر اک کردار میرے ہمدم
بامِ عروج پر ہیں اوصاف اُس کے سارے
دل موہ لے وہ شیریں گفتار میرے ہمدم
سب فیض اُس کے در سے ملتے ہیں عاشقوں کو
رہتا نہ کوئی بے برگ و بار میرے ہمدم
دنیا کی دلدلوں سے وہ سب کو ہی نکالے
صحرا کو جو کرے ہے گلزار میرے ہمدم
میدان قرب کا خالی ہے چلے بھی آؤ
بک جاؤ اُس کے جا کر بازار میرے ہمدم
دل کی ترے وہ حالت کو خوب جانتا ہے
تو غیر سے کرے کیوں اظہار میرے ہمدم
لَو عشق کی ہو جائے گر ایک بار روشن
پھر جگمگائے سارا سنسار میرے ہمدم
جس دل پہ وہ تجلی اپنی دکھائے یارو
کھلتے ہیں پھر عجب واں اسرار میرے ہمدم
لذت سے قرب کی جو ہو کوئی آشنا تو
اک نشے میں وہ رہتا سرشار میرے ہمدم
وہ دور کرتا ہے جب اِس دل سے تیرگی کو
ہوں سُونے سُونے آنگن گلنار میرے ہمدم
سب لا علاج کہتے بیمارِ عشق کو ہیں
درماں ہے اس کا دیدارِ یار میرے ہمدم
محمودؔ سر جھکا کے ہی سب مقام پائیں
عاجز ہی پاتے ہیں اس کا پیار میرے ہمدم

ڈاکٹر عبدالکریم خالد صاحب

شکستہ پر سہی لیکن کوئی پرواز کر ڈالیں
مقدر میں یہی ہے تو چلو آغاز کر ڈالیں
لرزتا ہے بدن سارا کسی احساس میں رقصاں
غزل لکھیں لہو سے ہم رگوں کو ساز کر ڈالیں
چلو اک کام کرتے ہیں ذرا اول کو بڑا کر کے
ستم جتنے بھی اس کے ہیں نظر انداز کر ڈالیں
چمن میں پھول کھلنے سے ذرا آہٹ نہیں ہوتی
کسی موہوم جنبش سے دریچے باز کر ڈالیں
یہ ریزہ ریزہ غم اپنے اچھالیں یا سنبھالیں ہم
لٹا دیں جاں پہ غم سارے کہ پس انداز کر ڈالیں

مبارک صدیقی

وہ گل و گلزار میرے دل پہ قبضہ کر گیا
گو یہ اچھی بات تھی لیکن وہ غصہ کر گیا
آج بھی میں منتظر ہوں اُس گلِ نایاب کا
وہ جو دستک دے کے سارے گھر کو میٹھا کر گیا
اک عجب دھڑکا ہے جانے کون کس کو مار دے
کون سا آسیب اِن شہروں پہ سایہ کر گیا
ڈس لیا تھا نفرتوں نے زندگی کے پیڑ کو
اس لئے جب چاپ ہجرت وہ پرندہ کر گیا
پہلے اس نے پیاس بانٹی شہر بھر میں تحفتاً
پھر مسیحا بن کے وہ پانی کو مہنگا کر گیا
جس کے ہونے سے برستے تھے مری چھت پر گلاب
اس طرح بچھڑا کہ میرے گھر کو صحرا کر گیا
وہ جو خود کو بیچ کر لاتا تھا گھر میں روٹیاں
کل اسے گھائل بہت اپنوں کا لہجہ کر گیا
اس کے ہونے سے مبارک برکتیں تھیں بے شمار
جاتے جاتے جو مری آنکھوں کو دجلہ کر گیا

آفتاب مضطر

ہر ظلم ترا یاد ہے، بھولا تو نہیں ہوں
اے وعدہ فراموش میں تجھ سا تو نہیں ہوں
اے وقت مٹانا مجھے آسان نہیں ہے
انساں ہوں کوئی نقش کفِ پا تو نہیں ہوں
چپ چاپ سہی مصلحتاً وقت کے ہاتھوں
مجبور سہی وقت سے ہارا تو نہیں ہوں
یہ دن تو مجھے ان کے تغافل نے دکھائے
میں گردشِ دوراں ترا مارا تو نہیں ہوں
اُن کے لیے لڑ جاؤں گا تقدیر میں تجھ سے
حالانکہ کبھی تجھ سے میں اُلجھا تو نہیں ہوں
ساحل پہ کھڑے ہو تمہیں کیا غم، چلے جانا
میں ڈوب رہا ہوں، ابھی ڈوبا تو نہیں ہوں
کیوں شور بپا ہے ذرا دیکھو تو نکل کر
میں اُس کی گلی سے ابھی گزرا تو نہیں ہوں
مضطر مجھے کیوں دیکھتا رہتا ہے زمانہ
دیوانہ سہی، اُن کا تماشا تو نہیں ہوں

نعت

حافظ مستنصر احمد قاہر

پاک ہیں احمد محمد دلبرم از کل ظلام
آپ ہی کہ دم سے دنیا ہوگئ ماہ تمام
اے گلِ تازہ نسیمِ صبح کی پہلی کرن
تجھ پہ ہیں لاکھوں کروڑوں بلکہ ہوں بے حد سلام
ھادیء وقت تھا اور تو ھادیء وقت ہے
تیرے آنے سے کامل ہوگیا ہے دین مدام
جاری و ساری ہے تیرے فیض کی ٹھنڈی ہوا
آمد ثانی سے شمشیریں ہوئیں اندر نیام
قوت قدسی ہے جاں بخش آپ کی ہر دوسرا
اس لئے ظلی قبا پہنے ہوئے آیا غلام
شاہ اول و شاہ آخریں خیر الرسل
سب سے بالا سب سے ارفع آپ ہی کا ہے مقام
امی ہو کے بھی عجائب کر دیئے کیونکر بیاں
آپ کو قاہر خدا نے خود ہی سکھایا کلام

بسمِ اللہ کلیم

نہیں علاقہ جزا سے، نہ ڈر سزا سے ہے
مجھے تو واسطہ یار ا تری رضا سے ہے
اندھیری غار سے موسوم کرنے والو، سُنو
جہاں میں جِس قدر ہے روشنی، حراء سے ہے
وہ مُنتہا جِسے چُھو؟ نہ بالِ جبرائیل
شُروع مقام ترا (ﷺ) ایسی انتہا سے ہے
بدر سے پہلے تو جو بھی ہوا، ہوا سو ہوا
اب اُس کے بعد بشارت، مِرے خُدا سے ہے
وہی ہے لوح و قلم کی بقاء تو حیرت کیا؟
مِرا وجود بھی تو میرے مُصطفیٰ سے ہے
وصالِ سرورِ کونین (ﷺ) پائے گا، جس کو
شعورِ عرض و مناجات، کِبر یا سے ہے
قسم ہے بیعتِ رضواں کے جانثاروں کی
ہمارا عہدِ وفا سیّد الوریٰ سے ہے

ایس۔ایم۔تقی حسین

شبنم جبیں پہ ہو تو چمن مانگنے کو میں
مرنا کسی کا ہو تو کفن مانگنے کو میں
یہ حرف شب تو آج سیاہی میں ڈھل گئ
اب کس کے پاس جاؤں کرن مانگنے کو میں
جو کچھ تھا اپنے پاس وہ ان کی نذر ہوا
جاؤں کہاں یہ تاب سخن مانگنے کو میں
صرف دعا کو ہاتھ مگر کس لیئے اٹھیں
وہ بے نیاز اور دہن مانگنے کو میں
تقدیر کس کے در پہ لے آئی ہے مجھ کو آج
کیوں گھر لٹا کے آیا صحن مانگنے کو میں
کیا ضد ہے دل کی کس لیئے یہ بار بار ہے
چندا سے چاندنی کی لگن مانگنے کو میں
نظریں رہیں فلک پہ کہیں اے تقی حزیں
خوشبو کے راستے میں دلہن مانگنے کو میں

آفتاب شاہ

مجھے لیڈر بنا دو نا مجھے بھی بھوک لگتی ہے
مجھے افسر لگا دو نا مجھے بھی بھوک لگتی ہے
مجھے بھی پل بنانا ہے کوئی ٹھیکہ ہی دلوا دو
زرا ان سے ملا دو نا مجھے بھی بھوک لگتی ہے
مجھے بھی دور جانا ہے بہت بیمار رہتا ہوں
کوئی پرچی لکھا دو نا مجھے بھی بھوک لگتی ہے
مجھے بھی وعدے آتے ہیں جو ہوتے ہی نہیں پورے
کوئی وردی بتا دو نا مجھے بھی بھوک لگتی ہے
مرا وعدہ ہے یارو میں کبھی نا تنہا لوٹوں گا
جھجک میری ہٹا دو نا مجھے بھی بھوک لگتی ہے
ملازم ہو کوئی یارو یا کوئی پاپڑوں والا
ہنر مجھ کو سکھا دو نا مجھے بھی بھوک لگتی ہے

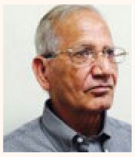

مبارک احمد عابد

پھر کوئی یاد سی اُبھر آئی
چاندنی میکدے میں دَر آئی
دن ہمارا اُداس جو دیکھا
رات کی آنکھ بھی ہے بھر آئی
جا نے والا گزر گیا آ گے
چاپ قدموں کی لوٹ کر آئی
شہر کو نیند کا نشہ دے کر
جاگتی رات میرے گھر آئی
آس میری گئی تھی اس در پر
جیسے تھی ویسے چشم تر آئی
دل لگانا بھی جرم تھا اپنا
یہ بلا بھی ہمارے سر آئی
لفظ پھر کہکشاں بنے عابد
پھر مری شاعری نکھر آئی

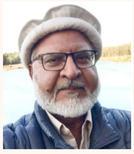

طارق انور باجوہ

مجھ کو کسی سے حوصلہ گفتگو نہ تھا
جب تک کھڑا ہوا میں ترے رُوبرو نہ تھا
تحریر کر کے پیش تو کرتا میں عرضیاں
لکھنے کو داستاں بچا میرا لہو نہ تھا
اس نے مجھے بس اس لئے پڑھنے نہ دی نماز

اس کے خیال میں کیا میں نے وضو نہ تھا
حیرت ہوئی کیا جو عدالت نے فیصلہ
اس کی نگاہ میں ہوا میں سُرخرو نہ تھا
قسمت کچھ اس طرح سے بھی ہے مہرباں ہوئی
میرا ہوا جو میری کبھی آرزو نہ تھا
کیسے بیان کرتے جو دل پر گزر گئی
کہنا ہمیں قبول، سرِ آبرو نہ تھا
اب سب نیازِ شوق لئے آ گئے یہاں
پہلے تو ذکر اس کا یہاں کُو بہ کُو نہ تھا
طارق ہمارا نشّہ تو چاہت اسی کی تھی
مانا ہمارے ہاتھ میں جام و سبو نہ تھا

آفتاب احمد اختر

عشق بھی نماز ہے اس کا بھی قیام کر
بندگی میں ہوسکے تو رفعتِ مقام کر
ذِکر یار سے ملے لذتِ سجود بھی
لفظ باوضو رہیں ایسا اہتمام کر
خواہشِ گناہ بھی ناموجبِ سرور ہوں
حیات آفرین ہوں وہ عمل شاد کام کر
یہ کیفیتِ اضطراب یہ تشنگی روح کی
علاجِ دردِ ہجر بھی نہ طشت ازبام کر
پانچ وقت کے لئے جو میکدہ کھلا تو کیا
دل کو میکدہ بنا رات دن قیام کر
لاکھ بندشوں میں جب شرابِ وصل مل سکے
بھیڑ بھاڑ سے نکل، خود اپنا انتظام کر
تیرے نام سے اگر جہاں یہ ناشناس ہے
اپنے اس کلام سے جہاں میں خاص نام کر
یہ معاملے دل ونظر کے جس سے ہیں جڑے ہوئے
جو ہوسکے تو آفتاؔب تو اس کو ہم کلام کر

نامعلوم

وقت چلا، لیکن کیسے چلا
پتہ ہی نہیں چلا
زندگی کی آپا دھاپی میں،
کب نکلی عمر ہماری، یارو
پتہ ہی نہیں چلا
کندھے پر چڑھنے والے بچے،
کب کندھے تک آ گئے؟
پتہ ہی نہیں چلا
کرائے کے گھر سے،
شروع ہوا تھا، سفر اپنا
کب اپنے گھر تک آ گئے
پتہ ہی نہیں چلا
سائکل کے پیڈل مارتے،
ہانپتے تھے ہم، اس وقت
کب سے ہم، کاروں میں آ گئے
پتہ ہی نہیں چلا
کبھی تھے ہم، ذمہ دار، ماں باپ کے
کب بچوں کے لیے ہوئے ذمہ دار
پتہ ہی نہیں چلا
اک دور تھا، جب دن میں،
بےخبر سو جاتے تھے
کب راتوں کی اڑ گئی نیند
پتہ ہی نہیں چلا
جن کالے گھنے بالوں پر،
اِتراتے تھے کبھی ہم
کب سفید ہونا شروع ہو گئے
پتہ ہی نہیں چلا
دردر بھٹکتے تھے، نوکری کی خاطر
کب ریٹائر ہو گئے
پتہ ہی نہیں چلا
بچوں کیلئے، کمانے بچانے میں
اتنے مشغول ہوئے ہم
کب بچے ہوئے ہم سے دور
پتہ ہی نہیں چلا
اب سوچ رہے تھے،
اپنے لیے بھی، کچھ کریں
پر جسم نے، ساتھ دینا، بند کر دیا کب
پتہ ہی نہیں چلا
وقت چلا، پر کیسے چلا
پتہ ہی نہیں چلا

عبدالحمید حمیدی

منتظر تھے میکدے کی شام کے
ساقی کوثر کے اجلے جام کے
خم کے خم ہم نے لنڈھائے اس طرح
تھے گدا تیری نظر کے جام کے
کیوں نہ نظروں میں تیری ہم جچ سکے
آدمی ہم تھے اگرچہ کام کے
کن خطاؤں کی سزا لائی ہے رنگ
ہم رہے در کے نہ ٹھہرے بام کے
حسن تیرا چار سو بکھرا ہوا
عکس ہیں یہ سب ہی تیرے نام کے
کوئی بھی ہو رنگ سارے اُن کے ہیں
سب دھنک کے رنگ اُن کے نام کے
چاہتے ہیں ہم بھی غالب کی طرح
ہم بھی ہیں شوقین میٹھے آم کے

ڈاکٹر فرزانہ فرحت لندن

گزر گیا جو دکھوں کا موسم تو حسرتیں کیا شمار کرنا
ملا مسیحا،ملا ہے مرہم، قیامتیں کیا شمار کرنا
غموں کی وحشت سے میں نے گھبرا کے جام کل رات اک پیا تھا
فسوں کی حالت گزر گئی ہے تو وحشتیں کیا شمار کرنا
جو میں نے سجدوں میں رات کاٹی تو جھولی پھولوں سے بھر گئی تھی
نکل گئے ہیں جو خار دل سے ریاضتیں کیا شمار کرنا
مری نگاہوں میں بس گئے ہیں محبتوں کے حسین سپنے
جو میں نے دیکھیں ہیں زندگی بھر قیامتیں کیا شمار کرنا
میں کس طرح سے تمہیں بتاؤں کہ زندگی بھر کتابِ دل پر
لہو سے لکھے ہیں نام کتنے شہادتیں کیا شمار کرنا
مرا تھا کوئی جو ایک دشمن اسی کا دل میرا گھرا ہوا ہے
محبتوں کے مکان میں پھر عداوتیں کیا شمار کرنا
سفر کا کوئی حساب رکھا نہ کھول کر غم کا باب رکھا
گئے دنوں کی مسافتوں کی اذیتیں کیا شمار کرنا
ملا ہے مجھ کو بھی ہم سفر اب، کھلا ہے اب پھول میرے دل کا
مصائب آکر گزر گئے ہیں مصیبتیں کیا شمار کرنا
تمہارے دل کے مکاں میں فرحتؔ جو چاہتوں کا ہوا اُجالا
تو ظلمتوں کا حساب کیسا کدورتیں کیا شمار کرنا

میری آنے والی کتاب۔خونِ جگر سے انتخاب

آفتاب شاہ

جو حیاتِ تلخ سے رو پڑا وہی تیرا عاشقِ زار تھا
جو رفیق تھا جو عتیق تھا وہ جو زخمِ دل سے فگار تھا
دلِ مضطرب سے تھے آشنا جو رہے سدا مرے مہرباں
وہ جو پاس تھا تو سراب تھا جو وہ دور تھا تو سیار تھا
تمہیں کیا بتاؤں کہ کیا ہوا رگِ جاں پہ تیر جو آ لگا
نہ تو ہجر تھا نہ فراق تھا مرا دل تو اس پہ نثار تھا
جو لہو ہوا مرا خستہ دل تو کہاں کہاں سے لہو بہا
نہ حبیب تھا نہ شکیب تھا وہ تو بحر و بر کا غبار تھا
مجھے کیا ہوا کہ میں کھو گیا تری چشمِ تر سا میں ہو گیا
نہ ہی سوزِ جاں کی تھی جستجو نہ طبیبِ من کی پکار تھا
نہ ہی سوگ تھا نہ ہی روگ تھا وہ تو زندگی کا بروگ تھا
نہ ہی عشق تھا نہ خیال تھا مرے دل میں اسکا مزار تھا
جو ملے وہ تجھ کو دیار میں کبھی زندگی کے حصار میں
تو یہ کہنا لوٹ کے دیکھ لے جو تری نظر کا شکار تھا

سید نصیرالدین نصیر

سنے کون قصہ دردِ دل میرا غمگسار چلا گیا
جسے آشناؤں کا پاس تھا،وہ وفا شعار چلا گیا
وہی بزم ہے وہی دھوم ہے، وہی عاشقوں کا ہجوم ہے
ہے کمی تو بس میرے چاند کی، جو تہہ مزار چلا گیا
وہ سخن شناس وہ دور بیں، وہ گدا نواز وہ مہ جبیں
وہ حسیں وہ بحرِ علوم دیں، میرا تاجدار چلا گیا
کہاں اب سخن میں وہ گرمیاں کہ نہیں رہا کوئی قدرداں
کہاں اب وہ شوق میں مستیاں کہ وہ پر وقار چلا گیا
جسے میں سناتا تھا دردِ دل وہ جو پوچھتا تھا غمِ دروں
وہ گدا نواز بچھڑ گیا،وہ عطا شعار چلا گیا
بہیں کیوں نصیر نہ اشکِ غم، ہو کیوں نہ لب پر میرے فغاں
ہمیں بیقرار وہ چھوڑ کر سر راہ گزار چلا گیا

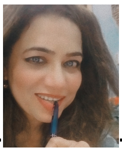

نعت۔شازیہ عالم شازی، کراچی پاکستان

روضے پہ حاضری کی ہے خواہش مرے نبی ﷺ
کر بھی رہی ہوں اپنی سی کوشش مرے نبی ﷺ
ہو جائے جو کرم تو سنور جائیں میرے دن
مجھ پر کڑی ہے وقت کی گردش ، مرے نبی ﷺ
کتنی ہی خطاکار ہوں لیکن بروز حشر
کرنا ہے آپ ہی کو سفارش ، مرے نبی ﷺ
ہو جائیں جس سے راستے آسان زیست کے
کر دیجیے کرم کی وہ بارش مرے نبی ﷺ
روزِ جزا ہو آپ کا سایہ مجھے نصیب
ہے اتنی شازیؔہ کی گزارش مرے نبی ﷺ

مشرقی اُفق ۵/ اکتوبر 2021ء- میر افسر امان

کتاب: طالبان کی قید میں
یوآنے رڈلے، سے مریم تک

یوآنے رڈلے ایک برطانوی صحافی خاتون ہیں۔اسے اپنے پیشے سے بے پناہ لگاؤ ہے۔شاید اسی وجہ سے تین خاندوں سے طلاق لینی پڑی۔11/ستمبر 2001ء کے امریکی خود ساختہ دہشت گردی کے واقعہ کے سنڈے ایکپریس لندن میں ملازم تھی۔اخبار نے اسے افغانستان پر متوقع امریکی حملے کے واقعات کی رپورٹنگ کے لیے اسلام آباد بھیجا۔یہ صحافی خاتون قانونی طور پر کوشش میں ناکامی کے بعد بھیس بدل کر، برقعہ پہن کر غیری قانونی طور مقامی اور افغانی گائیڈ کی مدد سے طالبان کے افغانستان میں تورخم کے راستے داخل ہوئی۔افغانستان کے شہر جلال آباد پہنچی۔واپسی پر گدھے پر سوار ہو کر واپس آ رہی تھی کہ طالبان نے اسے گرفتار کر لیا۔قید کے دوران طالبان کے اسلامی کردار سے متاثر ہوئی۔طالبان سے وعدہ کیا کہ اسلام کا مطالعہ کرے گی۔ رہائی کے اڑھائی سال بعد عمران خان (اب وزیر اعظم پاکستان) کے ہاتھوں اسلام قبول کیا، یوآنے رڈلے سے مریم بنی۔اپنی کتاب میں لکھتی ہیں،اسلام قبول کرنے بعد مجھے افسوس محسوس ہوتا ہے کہ میں نے اسلام قبول کرنے میں اتنی دیر کیوں کی!

افغانستان میں داخل ہونے سے پہلے پاکستان میں جلوزئی مہاجر کیمپ گئیں۔وہاں کی مشکلات کی رپورٹ تیار کی۔جامعہ حقانیہ کا دورہ کیا۔درّہ آدم خیل میں مقامی اسلحہ سازی دیکھی۔اسلام آباد میں افغان جہاد کے ہیرو جنرل حمید گل سے ملاقات کی۔ اس سب ملاقاتوں کی رپورٹ تیار کی۔برطانوی صحافی کرسٹینا لیمپ جسے پاکستان مخالف رپورٹنگ پر پاکستان سے بے دخل کیا گیا۔جو پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے اسامہ بن لادن کے نام سے جعلی ٹکٹ پر سفر کرنے میں ملوث تھی۔جس نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے مغرب کی ڈمی ملالہ کی زندگی پر ''آئی ایم ملالہ'' کتاب لکھی سے بھی ملاقات کی۔تورخم کراس کرنے کے بعد اپنی گائیڈ کے ساتھ جلال آباد پہنچی۔جلال آباد سے باہر مضافات میں ایک گاؤں ''کاما'' گئیں۔خواتین سے ملاقاتیں کیں۔افغانی کلچر اور رسم ورواج معلوم کیں۔ایک افغان عورت جو سو سال سے زائد عمر کی تھی سے بات چیت ہوئی تو پتہ چلا کہ اس نے کئی جنگیں دیکھی ہیں۔ایک افغان عورت نے معلوم کیا تمھارے کتنے بچے ہیں۔جواب دیا ایک بچی ہے۔کہنی لگی میں تو پندرہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔افغان عورتیں مغربی عورتوں کو طعنہ دیتی ہوئی محسوس ہوئیں۔یوآنے رڈلے نے افغان عورتوں سے کہا کہ لگتا ہے کہ نائین الیون کے بعد امریکہ افغانستان پر حملہ کر دے گا۔افغان عورتوں سے جواب ملا کہ کوئی بھی افغانستان پر حملہ کرے گا تو ہم مقابلہ کریں گے۔کوئی بھی افغانوں کو فتح نہیں کر سکتا۔رڈلے کہتی ہیں کہ اس پر مجھے ایک کہاوت یاد آئی کہ افغان کو ہر کوئی کرائے پر لے سکتا ہے مگر کوئی اس کا مالک نہیں بن سکتا؟ اک افغان عورت نے کہا کہ ہم نے نائین الیون کے بارے سنا ہے۔مگر امریکہ ہم پر بم پھینکنے سے پہلے دوسو بار سوچے گا۔ہم اس سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔رڈلے لکھتی ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ جو کچھ ان عورتوں نے کہا وہ ان کے جذبات کی ترجمانی ہے۔

ملا عمر کا حکم تھا کہ عورتوں کی تصویر نہیں بنائی جا سکتی۔مگر میں نے گائیڈ کی مدد سے ان تمام ملاقاتوں کی تصاویر بنا لیں۔مجھے جہاں بھی موقعہ ملا خواتین سے افغانستان کے حالات معلوم کئے اور کافی مواد جمع کر لیا۔لکھتی ہیں ہم افغانستان جانے کے لیے ٹیکسی میں سوار ہوئے۔طویل سفر کے بعد ہم تورخم باڈر تک پہنچ گئے۔سورج غروب ہو چکا تھا۔میں کوئی بھی قیمتی چیز ساتھ نہیں لی گئی تھی۔نہ رقم،نہ بندے نہ جیولری اور نہ ہی پاسپورٹ۔میں نے سوچا اگر طالبان نے مجھے پکڑ لیا تو پھانسی دے دیں گے۔مگر میں کہہ سکتی ہوں کہ میرا پاسپورٹ میری افغان ویزا کی درخواست کے ساتھ منسلک ہے۔اچانک میرے گائیڈ نے سڑک کی ایک طرف ہونے کی ہدایت کی۔دونوں طرف عورتیں قطار میں انتظار میں بیٹھی تھیں۔میں اپنی ساتھی عورت جس کے ساتھ دو بچیاں تھیں کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئی۔کوئی آدھے گھنٹے بعد دونوں گائیڈ واپس آئے اور پریشان تھے۔لوگ آ جا رہے تھے۔گائیڈ سے میں نے کہا کیا بات ہے۔اس نے کہا کہ پاکستان نے سرحد بند کر دی ہے پتہ نہیں کب کھلے گی۔چنانچہ ہم نے متبادل راہ اختیار کی۔کیا گاؤں کے کسی فرد نے مخبری کر دی ہے۔میرے ساتھ جو عورت تھی اس کے ساتھ دو بچے تھے وہ بھی پریشان تھی۔میں افغانی برقع پہنے پریشان ہو رہی تھی۔مجھے لندن سنڈے ایکسپریس اخبار سے جو آخری ٹیکسٹ میسج کی تھے کی طرف سے ملا تھا وہ ''جم کہتا ہے

کہ تمہیں محتاط رہنا چاہیے ہم تم سے محروم نہیں ہونا چاہیے‘‘ کہ ہماری پارٹی ٹیکسی میں سوار کوہ ہندوکش رینج میں واپس پشاور جانے کے لئے دوڑ رہی تھی۔ہم ایک پہاڑی درے کا پاس پہنچے۔جب دونوں گائیڈ نماز پڑھنے گئے تو لکھتی ہیں کہ میں کئی دنوں سے رفع حاجت روکے ہوئے تھی۔میں ایک نوکیلے پہاڑ کی ڈھلوان پر رفا حاجت سے فارغ ہوئی۔اوراوپر سیٹلائیٹ نظر آیا۔شاید اس نے میری تصویر بنائی۔پھر ہم پیدل تنگ درے کی چڑھائی چڑھ رہے تھے۔جب ہم دور بابا پہنچے تو بہت سے لوگ کھومتے پھرتے نظر آئے۔ مجھے کہا گیا کہ برقع اُتارلوں۔ مگر چہرہ سامنے نہیں آنا چاہیے۔میرے گائیڈ نے مجھے گدھے پر بیٹھایا۔گدھے نے جست لگائی میرے منہ سے انگلش میں گالی نکلی۔میرا کیمرہ سامنے نظر آیا تو افغان سپاہی فوراً شور مچایا اور مجھے گدھے سے اُترنے کا حکم دیا۔میرے گائیڈ کو سپاہی نے اتنے تھپڑ مارے کہ اس کی ناک سے خون کا فوارہ چھوٹ گیا۔ایک سرخ بالوں والے سپاہی نے مجھے اور میرے افغان گائیڈ پکڑ کر کار میں بٹھایا۔میری تلاشی کے لیے ایک عورت بلائی گئی۔مگر پاکستان کیمرے اور قلم کے سوا کچھ ملا۔مجھے واپس جلال آباد لایا گیا۔مجھے ایک ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں ہاتھ باندھ کر قید کرلیا گیا۔ایک نفیس طبع شخص جو ڈائریکٹر انٹلی جنس تھا اندر آیا۔اس نے کہا میں اپنے ذاتی کوائف لکھوں۔میں نے بتایا کہ میں برطانوی صحافی ہوں۔لکھتی ہیں کہ جیلر کچھ کھانے کی چیزیں لایا۔میں نے کہا جب تک اپنی ماں سے بات نہیں کرلیتی اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں گی۔

ڈائریکٹر انٹلی جنس اندر آیا تو میں بھوک ہڑتال پر تھی۔اس سے بھی ماں سے بات کرنے کی بات دہرائی۔تفتیش کرنے والوں نے کہ میں امریکی خفیہ ایجنٹ ہوں۔مجھ سے معلوم کیا گیا کون کون سی تصویریں بنائی ہیں۔پتہ لگا کہ انہوں نے ساری تصویریں تباہ کردیں ہیں۔میرا قصور ہے کہ میں افغانستان میں غیر قانونی طور پر داخل ہوئی۔لکھتی ہیں مجھے رہائی کے جھوٹے وعدہ پر جلال آباد سے کابل پہنچا دیا گیا۔کابل میں بھی جیل کی سختیاں برداشت کرنی پڑیں۔اس دوران کابل پر بمباری ہورہی تھی۔کہا گیا کہ ملا عمر کے حکم پر انسانی ہمدردی کے تحت مجھے رہا کیا جارہا ہے۔مجھے گورنر جیل نے ایک خوبصورت موٹی مخمل کا ڈریس اور سرخ اور سنہرا برقع پیش کیا۔اور اصرار کیا کی روانگی سے پہلے اس ڈریس کو پہن لوں۔پاک افغان ہم باڈر پر پہنچے تو شام ہو گئی تھی۔مجھے شک پڑا کہ رہائی کہیں دھوکہ تو نہیں۔سرحد پر ڈبل گیٹ کھلا اور گاڑی پانچ فٹ آگے سرک آئی۔پھر افغانستان کا نوجوان سفارت کار مسکرایا اور آگے بڑھا اور کہا کہ جاسکتی ہیں اور میں سن ہوکر رہ گئی۔جب میں نے قدم زمین پر رکھے تو ٹیلی ویژن کیمرے کی لائیٹ میرے چہرے پر پڑنے لگی۔اب میں کیمروں کے سامنے تھی اور کہا جارہا تھا طالبان نے آپ سے کیسا سلوک کیا۔پچھلے دن دنوں کے سارے واقعات میرے ذہن میں تازہ ہوگئے۔اخبارات اور الیکٹرونک میڈیا مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتا جو میں نے اپنے اخبار کے لیے سنبھال رکھا تھا۔لکھتی ہیں کہ مجھے پوچھا گیا کہ سچ سچ بتاؤ کہ طالبان کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے۔’’یہ ایک حقیت تھی کہ طالبان اپنی شہرت وحشی اور جنگلی عادات کے برعکس مجھ سے نہایت اخلاق اور احترام سے پیش آئے۔اگر وہ میرے ناخن کھینچ ڈالتے، مجھے ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں دیتے، گرم سلاخوں سے میرا جسم داغتے تو میڈیا کو مواد مل جاتا۔

بربریت کی صلاحیت رکھنے کے بوجود مجھ سے بے حد شرافت اور وضعداری کا سلوک کیا۔مغرب میں ہمارے لوگ شاید یہ سننا گوارا نہ کریں، مگر مجھے سچ بولنا ہے‘‘ بلکہ اس سے کہیں زیادہ اچھا برتاؤ کیا جو نام نہاد ساتھ صحافیوں کی طرف سے میرے ساتھ عنقریب روا رکھا جاتا تھا اور بعض اوقات وحشیانہ مظہر بننے والا تھا۔ڈیلی ایکسپریس کے ڈیوڈ سمتھ نے میری رہائی خبر اپنے ہیڈ کوارٹر بھیجی۔لوگ میری رہائی پر خوش ہوئے۔ڈیوڈ نے مجھ سے سیکرٹ ڈائری مانگی میں نے کہا یہ سنڈے ایکسپریس کی امانت ہے اسے آپ کو نہیں دے سکتی۔پھر میں لندن پہنچ گئی۔لندن میں میری توقع سے زیادہ میڈیا کے لوگ آئے۔میری گرفتاری کے دوران میرے دشمن مجھے اسپیشل فورسس کا جاسوس ظاہر کرتے رہے جبکہ میں صرف ایک صحافی ہوں۔میں نے اپنی فیملی سے مل کر بہت خوش ہوئی۔لکھتی کہ دو تہذیبوں کا فرق یہ ہے کہ میں لندن میں ایک سیاہ کیب میں سوار ہوئی تو اس کے ڈرائیور جو’’ایسٹ اینڈ کا رہنے والا تھا، اخبارات میں چھپنے والی تصویر سے مجھے پہچان لیا اور بولا’’ کیا تم وہی چڑیا ہو جسے طالبان نے اپنے پنجرے میں بند کردیا تھا یا طالبان نے تم سے جنسی فعل کیا‘‘، میں نے نفی میں سر ہلایا۔اگر میں ہوتا تو تجھے بھنبھوڑ کر رکھ دیتا۔اس کے ان گندے الفاظ پر میں نے سوچا مہذب دنیا میں واپسی خوش آمدیوں آنے‘‘ میں سوچتی رہ گئی یہ تھا فرق دونوں تہذیبوں میں۔جب مجھ سے طالبان نے مذہبی شخص کی ملاقات کرائی اور اس نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اسلام کا مطالعہ کروں گی۔

میں اپنے وعدہ پرعمل کرتے ہوئے لندن میں مسلم کالج کے سربراہ ڈاکٹر بداوی کومل چکی تھی۔میں نے لندن میں برطانوی صحافی خواتین کے سالانہ اجلاس میں روئدادقفس سنائی۔میں نے اجلاس میں کہا کہ طالبان نے میرے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کیا۔میں پھر افغانستان جا کر گاؤں ''کاما''ان لوگوں سے ملانا چاہتی ہوں میں اس عورت سے بھی ملنا چاہتی ہوں جس نے ڈھینگ مارتے ہوئے کہا تھا کہ وہ پندرہ بچوں کوجنم دے سکتی ہے۔افغانستان کی طرف خواہ مجھے کوئی بھی کھینچ رہا ہے میں وہاں دوبارہ جاؤں گی اوراپنے ایڈیٹر مارٹن ٹاؤنسڈ اور ماں سے اجازت مانگوں گی کہ وہ مجھے ایک بار پھر وہاں جانے دیں میں اس کوسمجھ سکوں آزادضمیر کے ساتھ واپس آؤں۔امریکہ نے سنڈے ٹیلیگراف لندن کی کرسٹینا لمب کو اینٹی طالبان پروپیگنڈے کے لیے بھیجا تھا۔کرسٹینا لمب کے غلط پروپیگڈے کو یوآنے رڈلے نے ردکیااورطالبان کی صحیح تصویر کشی کی۔یوآنے رڈلے اب اسلام کے دامن میں رہ کرمغرب کواسلام کے بارے غلط پروپیگنڈے کا جواب دے رہی ہے۔اللہ اُس کے حفاظت فرمائے آمین۔

حیض

منیر نیازی کہتے ہیں کہ اباجی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔اچانک انہوں نے مجھ سے پوچھا:''حیض کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ میں نے اپنے دل میں الحمدللہ پڑھ کراللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکرادا کیا کہ ہم بھی اب اپنے آپ کوان آزادخیال لوگوں میں شمار کرسکتے ہیں جواپنے گھر میں ہرقسم کے موضوع پرکھل کر بات کرسکتے ہیں۔ساتھ ہی مجھے وہ سارے بیتے سال یاد آگئے جو میں نے اباجی کے رُعب اور دہشت کے ساتھ اس گھر کے گھٹن زدہ ماحول میں گزاردیئے تھے۔میں نے مسکراتے ہوئے کہا:"اباجی،حیض ایک ایسے سرکل کا نام ہے جس سے ہرجوان عورت مہینے میں ایک بارگزرتی ہے"..اباجی نے پھر پوچھا:"توپھرعورت اس حالت میں کیا کرتی ہے۔میں نے کہا:"اباجی...عورت اس حالت میں نہ نماز پڑھتی ہے اورنہ ہی روزہ رکھتی ہے ...اباجی نے اس بارقدرے سخت اور اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا:"پتر!اس کا مطلب یہ ہے کہ تجھ میں اوراُس حیض والی عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔۔۔!!"

غداری کا گول چکر ۔رجل خوشاب

ہم گزشتہ بہتر سالوں سے ایک گول چکر میں محوسفر ہیں،میر جعفر کا پڑپوتا اسکندرمرزالیاقت علی خان کا ہمراز تھا۔قائدملت نے حسین شہید سہروردی کو کتا اور بھارتی ایجنٹ کہہ کر اسے پاکستان کے پہلے غداری ایوارڈ سے نوازا۔دوسال بعد لیاقت علی خان کوقائدملت سے شہیدملت بنادیا گیا،ایسا ضرب کاری کے قاتل کا نشان تک مٹادیا گیا،ایوب خان اسی اسکندرمرزا کا دست بازوتھا۔دونوں نے ملکر ہرسویلین وزیراعظم کوغداراورکرپٹ ثابت کیا،آخرکارہمہ یاراں برزخ نے آئین اورجمہوریت کی لکیرہی ختم کی۔بیس دن بعداسی لاڈلے ایوب خان نے اپنے محسن اسکندرمرزا کا تختہ الٹا،اسکندر مرزااورناہیدمرزاکوانتہائی ذلالت کے ساتھ ملک بدرکیا۔سلطنت برطانیہ اس وقت بھی معتوب لوگوں کی آخری پناہ گاہ تھی۔اسکندرمرزالندن میں انتہائی کسمپرسی کی حالت میں مرگیا یحییٰ خان نے اس کی لاش پاکستان لانے کی اجازت نہ دی۔ناہیدمرزاکے ذاتی تعلقات کام آئے اورتہران میں قبرکے لئے دوگز زمین ملی،یادرہے اسکندرمرزاکے مارشل لاء کے نفاذ میں یحییٰ خان پیش پیش تھے جس وقت فیروزخان نون اوردیگر جمہوری رہنماایوبی آمریت میں سیاست سے تاحیات نااہل قراردیئے جارہے تھے اس وقت نوجوان ذولفقارعلی بھٹو اسی ایوب خان کے کابینہ میں وزارت کا حلف اٹھارہے تھے۔جس وقت مجیب الرحمٰن زیرعتاب تھا اس وقت ذوالفقارعلی بھٹوایک لاڈلا تھا۔اس نے سقوطِ ڈھاکہ کے بعداقتدارسنبھالاتو سب سے پہلے جنگی قیدیوں کوواپس لانے کا اہتمام کیا،جب نیپ والے اوردیگر سیاست دان غداری کے گہری کھائی میں دھکیلے جارہے تھے اس وقت بھٹوکے حب الوطنی کا سورج نصف النہارپرتھا۔1973کے آئین منظورہونے کے بعد بلوچستان اورصوبہ سرحد(خیبر پختون خواہ) میں نیشنل عوامی پارٹی کی حکومتیں بن گئیں۔محب وطن ذولفقارعلی بھٹو نے بلوچستان میں غدارعطاءاللہ مینگل کی حکومت ختم کی،اوروہاں گورنرراج نافذکرکے محب وطن اکبربگٹی کوگورنرلگوایا،اس وقت بزنجو،سردارخیربخش مری،مینگل،اچکزئی،ولی خان اورمولانامفتی محمودسمیت سب غداراور بھارت کے ایجنڈے پرکام کررہے تھے۔لیکن پھراسی گول چکر میں بھٹوکے غدار بننے کی باری تھی کیونکہ اب نئے محب وطن پیدا کئے

جا چکے تھے، ایوب دور کے وزارت خارجہ سے لیکر آپنے دور کے وزارت عظمیٰ تک کچھ بھی بھٹو کو تختِ دار پر لٹکانے سے نہ بچا سکا، اس وقت وہ نہ صرف غدار اور قاتل ٹھہرے بلکہ اس کا ایمان بھی مشکوک ہو گیا، اس لئے مرنے کے بعد اس کے ختنے چیک کرنے پڑے۔ وقت کا دھارا بدلا، آگے آگے غدار جیالے پیچھے پیچھے مسلم لیگی محب وطنوں کے بینڈ باجے، آئی جی آئی بنی، نواز شریف نیا محب وطن ہیرو سامنے آیا، مجیب الرحمٰن شامی کی " زندگی " ہو یا صلاح الدین کا " تکبیر " ہر وقت قومی سلامتی اور حب الوطنی کا درس دینے لگے، بھٹو چونکہ سندھ کا بیٹا تھا اس لئے اس کے گھر کے اندر بھی موسیٰ پیدا کرنا لازم تھا۔ اس مقدس کام کے لیے الطاف حسین کو چنا گیا، اندرونی سندھ سے سائیں جی ایم سید دوبارہ محب وطن قرار پایا، جب نواز شریف کے بھی پر نکل آئے اور اس نے بھٹو کے بیٹی کیساتھ " میثاق جمہوریت " کیا۔ تو سامری جادوگروں نے عمران نیازی نامی ایک نئے چہرے کو تخلیق کیا، آج غداری کے گول چکر میں نواز شریف اور اس کی پارٹی آگے آگے اور عمران نیازی اور اسے کے حواری ڈھول باجے اٹھائے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں، الطاف حسین پر جب زندگی تنگ کردی گئی تو بگٹی نے اسے پناہ دی، لیکن وہی بگٹی اسی الطاف حسین کے اتحادی حکومت میں مارا گیا، جس بھٹو اور بگتی کے دور میں بلوچستان میں فوج کشی کی گئی، وہ دونوں اسی فوج کے ہاتھوں مارے گئے، "عجیب اتفاق ہے کہ ان کے جنازوں کا منظر بھی ایک جیسا تھا" الطاف حسین اور اس کی جماعت مشرف کے دربار سے حب الوطنی کا نیا سرٹفکیٹ لیکر غداری کے فتوے تقسیم کرنے لگے، الطاف بھائی بات بات پر پاک فوج کے حق میں ریلیاں نکلواتے ایک اشارے پر پورے شہر کو بند کرواتے

لیکن آخر کار تین دہائیوں تک مقرب فرشتوں کے لئے خدمات سرانجام دینے والے الطاف حسین کی ریٹائرمنٹ کا وقت بھی آن پہنچا، آج سلطنت برطانیہ میں گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس کے قریبی ساتھی بھی اس کا نام لینے سے کتراتے ہیں، احمد فراز کے خلاف ضیاء الحق نے غداری کا فتویٰ جاری کیا تھا، اس وقت نواز شریف، خواجہ صفدر اور ان کے دیگر ساتھی اس بیانیے کے ترجمان تھے، آج اسی فراز کا بیٹا مقدس فرشتوں کا ترجمان بن کر اسی نواز شریف اور ان کے ساتھیوں پر غداری کے فتوے لگا رہا ہے، فقط جنریشن وار والے لشکری یاد رکھیں، یہاں غداری کی باری اپنی باری پر آتی ہے۔ یہاں تاحیات حب الوطنی کا ٹائٹل صرف مقرب فرشتوں کے پاس ہے یا شیخ رشید جیسے گیٹ نمبر چار کے مجاور کے بغل میں، ان پیشہ ور لوگوں کے علاوہ یہاں سب کا انجام ایک ہی ہے، لہٰذا غداری کا ڈھولک بجاتے وقت ذرا پیچھے بھی مڑ کر دیکھا کریں، کہیں لائن میں کوئی نیا محب وطن ہیرو تو نہیں کھڑا۔

دنیا

صبح کی سیر کے بعد، ڈاکٹروں کا ایک گروپ سڑک کنارے خوش گپیوں میں مشغول تھا کہ ایک شخص لنگڑاتا ہوا ان کی طرف بڑھنے لگا۔

ایک ڈاکٹر بولا: اسے arthritis ہے۔

دوسرا بولا: اسے plantar fasciitis ہے۔

تیسرا بولا: اسے ankle sprain ہے۔

چوتھا بولا: اسے lower motor neuron lesion ہے۔

پانچوں بولا: اسے hemiplegic scissor gait ہے۔

اس سے پہلے کہ چھٹا ڈاکٹر کچھ کہتا اور اپنی تشخیص بتاتا، وہ شخص ان کے پاس پہنچ گیا اور پوچھنے لگا: بھائی قریب کوئی موچی ہے؟ میری چپل ٹوٹ گئی ہے۔ بالکل اسی طرح ٹی وی پر ماہرین اپنی آراء اور تذکروں سے ہمیں دن رات نوازتے رہتے ہیں۔

شاعری'' اور ''علم عروض

وارث اسلم ماہی، سعودی عرب

"شاعری" اپنے جذبات کو بیاں کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جس میں کسی کی اصلاح، فلاح، خوبیاں اور خامیاں پُر اثر انداز میں پیش کر سکتے ہیں۔ ”علم عروض“ شاعری کے لیے ایسا ہی ہے جیسے ایک دلہن کے لیے بناؤ سنگھار۔ علم عروض کی وجہ سے الفاظ اور جملے جس طرح ردھم، سر، تال، میں شامل ہو کر امر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ اپنی زندگی کو علم کی روشنی سے منور کر لیں اور جاہلیت کے چھائے ہوئے اندھیروں سے نکل جائیں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم سب کو علم خیر عطا فرمائے۔ علم کی خوبیوں سے ہمارے دلوں کو مزین فرمائے۔ اور ہمیں قلب سلیم کی چاشنی سے نوازے۔ علم اپنے حق سے ہمارے رُوبرو رہتا ہے بس ہمیں چاہیے کے اپنی زندگیوں کو اسی طرز پر بسر کریں جس طرح ہمیں حکم الٰہی ملا ہے۔ آمین۔

جیتے رہو۔ شہزادہ محمد بن سلمان

پچھلے ایک سال سے سعودی عرب میں کافی تبدیلیاں آئیں اور کل ایک تصویر اور پھر ویڈیو نظر سے گزری اور مسجد الحرام کے سابق امام کو کسینو میں جوا کھیلتے دیکھا، اطلاع کے مطابق یہ تاش کا ٹورنامنٹ تھا جس میں انعامات بھی دیئے گئے مگر حیرت ہے کہ اسکے انتظامات کی ضرورت کیوں پیش آئی، کیونکہ یہ کسینو کو فروغ دینے کے لیے پہلا قدم تھا اب مجھے یقین ہے کہ انکے چاہنے والے اسے صرف تاش کی گیم کہیں گئے، اور کہیں گئے کہ یہ جوا خانہ نہیں تھا، ایک تاش کا کلب ہے، جبکہ پوری دنیا اسے لفظ کسینو لکھ رہی ہے اور خود شہزادہ محمد بن سلیمان نے اسے کسینو ہی کہا ہے، کسینو کا مطلب ساری دنیا جانتی ہے اگر کوئی نہیں جانتا تو اسکی اطلاع کے لیے عرض ہے کسینو جوا خانے ہوتے ہیں، بنکاک، ہانگ کانگ آسٹریلیا اور میکسیکو کے کسینو پوری دنیا میں مشہور ہیں جہاں دنیا بھر کے جواری جوا کھیلتے ہیں، اب نہ معلوم اگلے چند سالوں میں سعودیہ کے کسینو بھی دنیا میں مشہور ہو جائیں مگر میں تو دعائیں دے رہا ہوں محمد بن سلمان کو جس نے یہ اقدامات کیے، آپ سوچ رہے ہوں گئے یہ کون سا اچھا اقدام ہے، آدھی قوم مجھے پہلے لبرل کہتی ہے اب انہیں میرے لبرل ہونے پر کوئی شک نہیں رہا ہوگا، زرا ٹھہر جائیں تحریر پوری پڑھ لیں، محمد بن سلمان وہ شہزادہ ہے جسے واقعی شہزادہ لگاں اے اوئے، کہنے کو جی کرتا ہے۔

کسینو کے ساتھ سینما کھولنے کا بھی اعلان کیا گیا ہے، اور یہ ہی نہیں سب سے پہلے خواتین کے ٹیکسی چلانے کی اجازت دیگئی پھر ڈرائیونگ کی اجازت ملی، پھر ڈانس اور برقعہ اتارنے کا حکم صادر ہوا اور برقعہ پہننے پر سزا دینے کا حکم بھی صادر ہو گیا، اور محرم کی موجودگی میں عمرہ اور حج کی شرط بھی ختم ہو گئی اسکے فوراًبعد دنیا کا سب سے بڑا ماڈرن سٹی بنانے کا اعلان ہوا اور جب اسکی تفصیلات سامنے آئین تو حیرت سے انگلی دانتوں کے بیچ آ گئی کہ ایک ایسا شہر آباد کیا جا رہا ہے جہاں کسی بھی مذہب کا کوئی عمل دخل نیں ہوگا،، اور اسکے فوراًبعد شہزادہ محمد بن سلمان امریکہ یاترا کے دوران صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو یہ کہانی سنا رہے تھے کہ آپ کے حکم پر جوں کا توں عمل کیا جا رہا ہے اور اس دن میں چاہے پی رہا تھا اسوقت جب سی این این پر محترم کا انٹرویو چلا اور کہا کے 35 سال سے ہم مغرب کے کہنے پر مسلمان ملکوں میں مغربی جہاد پر پیسہ خرچ کرتے رہے، میرے ہاتھ سے پیالی گرتے گرتے بچی اور میرا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا، میں نے اپنے ایک دوست کو فون کیا اور کہا کہ یہ جتنے لوگ افغان جہاد میں روس کے خلاف شہید ہوئے یا جتنے عراق ایران جنگ میں شہید ہوئے یا جتنے بشار الاسد کے خلاف لڑتے مارے گئے یا جنہوں نے قذافی کا دھڑن تختہ کیا اور لڑائی میں مارے گئے سب کے نام سے شہادت کا لفظ ہٹا دو، کیونکہ جب خلیفۃ المسلمین یہ کہہ رہا ہے کہ مغرب کے کہنے پر جہاد پر پیسہ لگاتے رہے تو مجھے فوراً سمجھ آ گئی کہ اب طالبان افغان حکومت سے مذاکرات کریں گے کیونکہ سعودی پیسہ بند ہونے والا ہے، اب شام میں داعش اور انصار والے پردہ سکرین سے غائب ہو جائیں گئے کیونکہ سعودی جہاز، اسلحہ، پیسہ اور امریکی امداد بند کرنے کا وقت آن پہنچا ہے، اور پاکستان میں کئی مساجد پر قابض تبلیغی بھائیوں کا پیسہ بھی اب بند ہونے لگا ہے، میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

شہزادہ محمد بن سلمان، جس نے 1920 سے آج تک وہابیت کے منہ پر لپٹا منافقت کا نقاب اُتار کر ایک جھٹکے میں پھینک دیا، جس نے دنیا کو آلِ سعود کا وہ چہرہ دکھایا جو ہمارے مدرسوں میں چھپا کر اوپر اسلام کی پٹیاں لگا کر دکھایا جاتا تھا، یہ وہ چہرہ تھا جو قران کے اوراق میں لپیٹ لپیٹ کر دنیا کو دکھایا جاتا تھا، کہ سعودی عرب اسلام کا قلعہ ہے، مگر اس قلعے کے اندر یہ بھیانک چہرے سابق امام کعبہ سمیت کس قدر کالے تھے اور اسی مکہ کی گلیوں میں حج اور عمرہ کے لئے آئی کئی غیر ملکی بچیاں غائب کر دی جاتی تھیں، جنکو ریپ کے بعد یہ ہی معزز سعودی تیزاب میں ڈال کر ختم کر دیا کرتے ہیں، اور دنیا انہیں خادمین کہتی نہیں تھکتی، مجھے ہندوستان کی وہ خاتون یاد آ گئی جو 9 دن تک اپنی بیٹی کے ساتھ ان خادمین کی درندگی کا نشانہ بنتی رہی اور سعودی پولیس نے انہیں مردہ حالت میں دریافت کیا، مجھے بھارت کے اندر سعودی ڈپلومیٹ کی اپنی خادمہ کے ساتھ ریپ کی کہانی یاد آ گئی جسے بھارت سے ناپسندیدہ شخصیت کہہ کر نکال دیا گیا نہ زنا کا کیس بنا تھا نہ سعودیہ نے تحقیقات کیں، مجھے بھارت، فلپائن بنگلہ دیش اور تھائی لینڈ کے دیہات میں گاڑیوں میں بیٹھے وہ بڈھے عرب یاد آئے جو عیاشی کا سامان ڈھونڈنے یہاں دھکے کھاتے تھے اب انہیں سب وہاں میسر ہوگا۔ محمد بن سلمان نے دنیا کو کھول کر دکھا دیا،، شرعی جوا خانے کا کھلنا تھا کہ سب عرب اپنے گھروں کے جوا خانے بند کر کے اس کسینو میں پہنچ گئے، سعودیہ میں چلنے والا دنیا کا سب سے بڑا

براتھل ہاوس تھوڑے دنوں میں رجسٹرڈ ہونے جا رہا ہے، یہ وہ خفیہ براتھل ہاوس تھا جس کی نشاندہی سعودی عرب سے بادشاہوں کی قید سے بھاگی شہزادی نے کی تھی اور سعودیہ کی پچھلی حکومت نے کہا تھا کہ سب جھوٹ ہے، سینما گھر کے کھلتے ہی گھروں میں فلمیں دیکھنے اور فلپائینی اور بنگالی نوکرانیوں کے ساتھ زبردستی میں ملوث بھوکے سعودی سینما گھر اور براتھل ہاوس کا رخ کرنے لگے ہیں۔

اب مجھے بتائیں کہ میں کیوں نہ کہوں محمد بن سلمان تم نے کمال کر دیا، تم نے آج پاکستان میں سعودیہ کے ماتحت چلنے والے مدرسوں، علماء اور جہادیوں کو یتیم کر دیا، آج مسلمانوں کو یقین آ جانا چاہیے کہ آل سعود دراصل یورپ کا فتنہ تھا ہے اور رہیں گے، جس سعودیہ نے جھوٹ بول بول کر فلسطینیوں کو مروایا، آج اسی ملک کا سربراہ کہتا ہے کہ اسرائیل اور فلسطین کی زمین کے حقوق بحال کِئے جائیں، آج وہ اپنی پالیسی کھل کر بیان کر رہے ہیں، وہ ایران کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہیں کیونکہ انکے مقابل شام، عراق، مصر، لیبیا، ختم ہو چکے ہیں اردن انکے ساتھ مل چکا ہے ایک ایران ہے عرب دنیا میں جو اسرائیل کے خلاف اب باقی رہ گیا ہے تو اب آخر میں سعودیہ خود اسکے خلاف میدان میں آنا چاہتا ہے، کیونکہ اب عرب لیگ میں کوئی ایسا ملک نہیں جو آگے بڑھ کر سعودیہ کو روک سکے کہ تم منافق ہو، تو اب سعودیہ کے حکمرانوں نے خود کو سامنے لانا ہے، مجھے 1920 میں عثمانی خلافت کے خاتمے اور آل سعود کے مسلط ہونے کے بعد ایک فتنے کے سر اُٹھانے کی کہانی یاد آ رہی ہے جب گنبد خضریٰ کو گرانے کا حکم عزیز آل سعود نے دیا تو دنیا میں وہابی اسلام کے ماننے والوں نے کئی مزارات کو گرا دیا کہ یہ شرک اور بدعت ہے، پھر یہ سلسلہ اس طرح چلا کہ مسلمان آپس میں لڑنے لگے، حنفی مسلک کے دو فرقے دیوبندی بریلوی ہندوستان میں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے، ایک جگہ رہنے والے شیعہ سنی ایک دوسرے کے خون کے دشمن ہو گئے، آج آل سعود سو سالہ جشن منانے کی تیاری میں ہیں اور محمد بن سلمان نے دنیا کو سعودی اسلام کا اصل چہرہ دکھا دیا، میں تو سرخ رومالوں میں لپٹے ان سعودی اسلام سے متاثر ملاؤں اور انکے پیروکاروں کو دیکھ رہا ہوں جنکی فہرستیں بہت جلد محمد بن سلمان امریکہ کے حوالے کر کے کہے گا یہ وہ جہادی ہیں جن کو ہم نے پالا تھا اب انکا کوئی کام نہیں انہیں ختم کیا جائے، اور افغانستان میں قندوز کا مدرسہ اسکی پہلی کڑی تھی، ابھی آگے کتنے مدرسے ٹارگٹ ہونے ہیں۔ ابھی بھی وقت ہے ان کے لِے جو سعودی اسلام کے پیروکار بن گئے تھے، واپس لوٹ آئیں، کیونکہ اب امام مہدی کے ظہور کی نشانیاں پوری ہو رہی ہیں، ذرا سر اُٹھا کے دیکھو عرب کی سرزمین گناہوں کا مرکز بن جائے گی، اور ایسا ہو رہا ہے، اللہ میرے اور آپ سب کے اسلام اور ایمان کی حفاظت کرے آمین۔ ”اب سمجھنا آسان ہو گیا ہے کہ طالبان کیوں لبرل ہو گئے ہیں اور عنقریب پاکستان میں بھی مدرسے بند یا لبرل تعلیم کی طرف آنے پر مجبور ہوں گے۔

تجزیہ- اے آر خان

آرمی چیف بننے کیلئے کور کی کمانڈ کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اور اب جنرل فیض حمید کور کمانڈر بننے کے بعد آرمی چیف بننے کیلئے اہل ہو گئے ہیں۔

جنرل باجوہ نے 29 نومبر 2022ء کو ریٹائرڈ ہونا ہے جبکہ دس تھری سٹار سینئر موسٹ جرنیل آرمی چیف جنرل باجوہ کے ریٹائرڈ ہونے سے پہلے تیس ستمبر 2022ء تک ریٹائرڈ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد جو اگلے چار تھری سٹار سینئر موسٹ جنرل ہوں گے ان میں لیفٹیننٹ جنرل فیض حمید صاحب کا چوتھا نمبر ہے۔ جنرل فیض حمید صاحب سے اوپر تین سینئر موسٹ جرنیلوں میں سے سب سے سینئر لیفٹیننٹ جنرل ساحر شمشاد مرزا صاحب ہیں جو ابھی ٹین کور کمانڈ کر رہے ہیں۔ ان کے بعد لیفٹیننٹ جنرل اظہر عباس صاحب ہیں جو فی الحال جی ایچ کیو میں چیف آف جنرل سٹاف (سی جی ایس) ہیں اس کے بعد لیفٹیننٹ جنرل نعمان محمود صاحب ہیں جو نیشنل ڈیفینس یونیورسٹی کے پریزیڈنٹ ہیں اور اس کے بعد لیفٹیننٹ جنرل فیض حمید صاحب ہیں جو پہلے ڈی جی آئی ایس آئی تھے اور اب کور کمانڈر الیون کور بنا دیے گئے ہیں۔ آرمی چیف کی تعیناتی کیلئے پہلے چار سینئر موسٹ نام ہی بھیجے جاتے ہیں جن میں سے ایک کو وزیر اعظم نے آرمی چیف کیلیے سلیکٹ کرنا ہوتا ہے۔

اب لیفٹیننٹ جنرل فیض حمید کے کور کمانڈر بننے کے بعد ان کے آرمی چیف بننے کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔ گو کہ وہ سنیارٹی لسٹ میں فی الحال چودھویں نمبر پر ہیں۔ اور اپریل 2023 میں اوپر والے دس سینئر موسٹ جرنیلوں کے جانے کے بعد وہ ٹاپ فور سینئر جرنیلوں میں سے بھی چوتھے نمبر پر ہیں مگر جنرل باجوہ کی گڈ بکس میں ہونے کی وجہ سے، عمران خان کی نظروں میں ایک با اعتماد جنرل ہونے کی وجہ سے اور ڈی جی آئی ایس آئی رہنے کی وجہ سے وہ

اگلے آرمی چیف کیلئے کی سیٹ کیلئے ہاٹ فیورٹ جنرل سمجھے جا رہے ہیں۔ایک بات واضح رہے کہ پاکستان آرمی میں آرمی چیف کی تعیناتی کے معاملے میں انتہائی زیادہ غیر یقینیت پائی جاتی ہے۔ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے جنرل ضیاء الحق کو آرمی چیف بنایا تھا تو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ضیاء الحق جنرل بن سکتے ہیں۔اس لیے کہ ضیاء الحق صاحب کو اوپر کے چھ سینئر موسٹ جرنیلوں کو نظر انداز کر کے ساتویں نمبر پر موجود جنرل ضیاء الحق صاحب کو بھٹو نے آرمی چیف بنایا تھا. جنرل مجید ملک مرحوم اپنی کتاب ''ہم بھی وہاں موجود تھے'' میں لکھتے ہیں کہ ایسا اس وجہ سے ہوا کہ بھٹو کو لگتا تھا کہ اوپر تمام سات جنرل نا اہل ہیں یا ان کی سیاسی وابستگیاں بھٹو کی مخالف پارٹی کے ساتھ ہیں۔بعد میں جو کچھ بھٹو کے ساتھ ضیاء الحق نے کیا وہ سب کے سامنے ہے۔اسی طرح جنرل مشرف کی تعیناتی نواز شریف نے کی تھی اور بعد میں جو کچھ ہوا اس سے آپ سارے لوگ واقف ہیں۔مزے کی بات یہ ہے کہ جنرل پرویز مشرف نے جنرل کیانی کو تعینات کیا تھا...اور کہا یہ جاتا ہے کہ مشرف کو گھر بھجوانے والی وکلاء تحریک کے پیچھے خود جنرل کیانی صاحب ہی تھے۔اس کے بعد جنرل راحیل شریف اور مزید بعد جنرل باجوہ کو بھی نواز شریف نے ہی تعینات کیا تھا۔مگر نواز شریف چونکہ خود آمرانہ مزاج رکھتے ہیں اور سب پہ غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں لہٰذا دونوں آرمی چیفس میں سے کسی کے ساتھ بھی ان کی نا بن سکی۔

اور الیکشن میں دھاندلی کا الزام انہوں نے سیدھا جنرل باجوہ پہ لگا دیا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ دوہزار بائیس کے بارہویں مہینے میں اوپر کے تین سینئر جرنیلوں کو نظر انداز کر کے جنرل فیض حمید کو اگلا آرمی چیف بناتے ہیں یا پھر سنیارٹی کی بنیاد پر جنرل ساحر شمشاد مرزا کو بناتے ہیں...اور اس سے بھی بڑا سوال یہ ہے کہ کیا اگلا آرمی چیف اسی طرح عمران خان حکومت کے ساتھ تعاون کرے گا یا نہیں۔اگر اس سوال کا جواب نہیں میں ملتا ہے تو اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ جنرل باجوہ صاحب کو ایک ایکسٹینشن مزید دے دی جائے۔لیکن اگر ایسا ہوا تو شاید اس مرتبہ اس ایکسٹینشن کو فوج میں اتنا نارمل نہیں لیا جائے گا۔کیونکہ یہ بات اٹل ہے کہ جب بھی کسی ایک جنرل کو ایکسٹنشن ملے تو بہت سے دیگر لیفٹیننٹ جنرلز اور میجر جنرلز کا حق مارا جاتا ہے۔

جمیل الدین عالی اخبار جنگ میں ایک مقبول کالم لکھا کرتے تھے۔ نقار خانے میں ایک مرتبہ اس کالم میں انہوں نے ابن انشاء کے متعلق ایک واقعہ تحریر کیا...انشاء جی کے آخری ایام میں کینسر کے مرض کے علاج کے سلسلے میں ان کے ساتھ راولپنڈی کے CMH میں گیا تو انہیں وہاں داخل کر لیا اور ٹیسٹوں کے بعد ہمیں بتایا کہ کینسر پھیل گیا ہے اور اب تھوڑے دن کی بات رہ گئی ہے کیوں کہ علاج کافی وقت سے چل رہا تھا ہم کئی بار یہاں آ چکے تھے شام کے وقت ہم دونوں ہسپتال کے اپنے کمرے میں باتیں کر رہے تھے کہ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی میں نے دروازہ کھولا تو میرے سامنے ایک بہت ہی حسین وخوبصورت خاتون ہاتھوں میں پھولوں کا گلدستہ لئے کھڑی مُسکرا رہی تھیں، کہنے لگی انشاء جی سے ملنا ہے، میں انہیں کمرے میں لے آیا محترمہ نے گلدستہ انشاء جی کے ہاتھ میں دیا اور رونا شروع کر دیا اور کہا کہ انشاء جی میں آپ کی فین ہوں اور آپ میرے آئیڈیل ہیں مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کا کینسر پھیل گیا ہے اور آخری اسٹیج پر ہے میں اللہ سے دُعا کرتی ہوں کہ وہ میری زندگی کے پانچ سال آپ کو دے دے میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں میں اپنی ساری زندگی آپ کو دے دیتی لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں جن کو مجھے پالنا ہے میں پھر بھی سچے دل سے پانچ سال آپ کو دے رہی ہوں انشاء جی اُس کی اس بات پر زور سے ہنسے اور کہا، ارے ایسی کوئی بات نہیں ہے میں ٹھیک ہوں خاتون تقریباً ایک گھنٹہ بیٹھنے کے بعد چلی گئی تھوڑی دیر بعد انشاء جی رونے لگے اور کہا کہ دیکھو جمیل الدین یہ میری فین ہے اور دو بچوں کی ماں بھی ہے اور مجھے اپنی زندگی کے پانچ سال دینا چاہتی ہے اس کو کیا پتہ کہ ایک دن بھی کتنا قیمتی ہوتا ہے میرا تو وقت آ گیا ہے اللہ اسے اپنے بچوں میں خوش وخرم رکھے میں خود اتنا افسردہ تھا کہ کچھ نہ کہہ سکا۔اُس رات انشاء کے ساتھ ہسپتال میں رہا اور اگلے روز میں نے دو دن کی اجازت لی کہ میں اپنے عزیزوں سے مل آؤں جو کہ پنڈی میں رہتے تھے میں دو روز بعد واپس آیا تو انشاء نے مجھے اپنی تازہ نظم اب عمر کی نقدی ختم ہوئی، اب ہم کو اُدھار کی حاجت ہے رو رو کر سنائی جس میں اُس خاتون کے پانچ سالوں کا ذکر بھی کیا اردو ادب میں یہ نظم مجھے بہت پسند ہے میری آپ دوستوں سے گزارش ہے کہ آپ کم از کم دو مرتبہ اس کو ضرور پڑھیں بہت محظوظ ہونگے میں خود اس نظم کو اکثر پڑھتا رہتا ہوں بہت کمال کا شاہکار ہے انشاء جی پچاس سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

***

ھ "اور "ہ" میں کیا فرق ہے؟

’’ھاں"اور"ہاں" کیا دونوں ٹھیک ہیں؟ اسی طرح"ہم"اور" ھم"اگر فرق ہے تو کیا ہے؟ اردو میں دوچشمی’’ھ‘‘ کا استعمال مرکب حروف تہجی بنانے کے لئے ہوتا ہے۔مثلاً: بھ، پھ، تھ،ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، گھ، اور لھ وغیرہ۔

بعض جگہوں پر خوب صورتی یا کسی اور وجہ سے لوگ ابتدا میں’’ھ‘‘ کا استعمال کرتے ہیں مثلاً" ھم"،"ھماری"اور"ھاں"وغیرہ۔

لیکن یہ استعمال درست نہیں ہے۔اول تو یہ کہ اردو میں’’ھ‘‘ ابتداء لفظ میں کبھی آ ہی نہیں سکتا۔کیوں کہ دوچشمی’’ھ‘‘ کی اکیلی مستقل آواز نہیں ہے بلکہ اسے کسی دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔دوچشمی ’’ھ‘‘ اردو میں ہندی زبان سے اخذ کی گئی ہے اور یہ صرف چند حروف کے ساتھ ہی آ سکتی ہے، اردو کے تمام حروف تہجی کے ساتھ نہیں آ سکتی مثلاً: بھ، پھ، تھ،ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، گھ، اور لھ وغیرہ۔

اس کے علاوہ باقی حروف کے ساتھ دوچشمی’’ھ‘‘نہیں آتی جبکہ’’ہ‘‘ کی الگ مستقل آواز ہوتی ہے۔ذیل میں دوچشمی’’ھ‘‘اور’’ہ‘‘ کے چند جملے لکھے جارہے ہیں، انہیں پڑھ کر آپ کو خود ہی اندازہ ہوجائے گا کہ ان دونوں کے پڑھنے میں کیا فرق ہے اور اُردو زبان میں یہ دو مختلف ھ/ ہ الگ الگ کیوں رائج ہیں:

’’ھ‘‘ ننھے منے بچے سب کے من کو بھاتے ہیں۔

’’ہ‘‘ بہ- لاپرواہ لوگ پانی زیادہ بہاتے ہیں۔

’’ھ‘‘ ھ- بچے نے کاپی کا صفحہ پھاڑ دیا۔

’’ہ‘‘ پہ -پہاڑ پر چڑھنا ایک دشوار کام ہے۔

"ھ" تھ- میرا ایک دوست تھائی لینڈ میں رہتا ہے۔

"ہ" تہ-ابھی تک صرف ایک* تہائی* کام ہوا ہے۔

"ھ" ٹھ-ان دونوں کی آپس میں ٹھنی ہوئی ہے۔

"ہ" ہ -درخت کی ٹہنی پر چڑیا چہچہا رہی ہے۔

"ھ" جھ-آج فضا بوجھل سی ہے۔

"ہ" ہ-ابوجہل

ھنسی روک کر دکھایئے - رجل خوشاب

راوی کہتا ہے ہمارے محلے میں ابوالحسن نبالی نامی ایک بزرگ فوت ہوگئے، عمر رسیدہ تھے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔خیر ساتھ والی مسجد میں ان کی نماز جنازہ اور پھر تدفین کے بعد تابوت واپس لایا گیا۔رات کا وقت تھا مسجد بند ہونے کے باعث تابوت کو مسجد کے دروازے کے سامنے رکھا گیا تاکہ صبح خادم اٹھا کر اسے اپنی جگہ رکھے گا.رات کوئی ساڑھے تین بجے کا ٹائم ہوگا کہ ایک شخص مسجد آیا۔مسجد کا دروازہ بند تھا، وہ شخص کچھ دیر انتظار کرتا رہا۔ سردیوں کے دن تھے، اسے سردی لگ گئی۔

اس نے تابوت کھولا اور اندر سوگیا۔آدھا گھنٹہ بعد خادم آ گیا۔خادم نے ایک نمازی کی مدد سے تابوت کو محراب کے ساتھ بنی مخصوص جگہ پر رکھ دیا۔نیند کی غنودگی کی وجہ سے انہیں تابوت کے وزن کا بھی اندازہ نہ ہوا۔مؤذن نے اذان دی۔لوگ نماز کے لیے پہنچے۔جماعت کھڑی ہوگئی۔ پچاس کے قریب نمازی جماعت میں شامل تھے۔میں پہلی صف میں کھڑا تھا اور دوسری رکعت تھی کہ سامنے تابوت پہ میری نظر پڑی۔

عجب خوفناک منظر دیکھا کہ تابوت ہل رہا ہے۔میرے جسم میں سنسنی خیز ایک لہر دوڑ اٹھی۔میں نے آنکھیں بند کرلیں۔تابوت بدستور ہل رہا تھا۔شاید میت کا ہیولا کھڑا ہو۔اتنے میں وہ شخص اٹھا اس نے تابوت سے سر باہر نکال کر پوچھا’’تم لوگوں نے نماز پڑھ لی‘‘؟

اللہ معاف کرے، لوگوں کی دوڑیں لگ چکی تھیں۔میں تو الٹے پیر ہزار کی سپیڈ سے گھر کی طرف دوڑا۔گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ میں ننگے پیر ہی گھر پہنچا ہوں۔امام صاحب تو پہلے ہی بے ہوش ہوکر زمین پہ گر پڑے تھے، کچھ لوگ دوڑتے ہوئے دیواروں سے ٹکرانے کی وجہ سے گرے ہوئے تھے، کچھ میری طرح ننگے پیر باہر بھاگ رہے تھے، کچھ وضوخانوں کے پاس پھسل کر گر چکے تھے، سب اندھا دھند بھاگ رہے تھے، جو شخص تابوت میں تھا وہ پیچھے سے دوڑ رہا تھا۔اور پوچھ رہا تھا وئے مینوں وی تے دسو ہویا کی اے...

کھٹی میٹھی یادیں

* ۔معصومیت بھرے پرانے دور میں الماریوں میں اخبارات بھی انگریزی کے بچھائے جاتے تھے کہ ان میں مقدس کتابوں کے حوالے نہیں ہوتے۔
* ۔چھوٹی سے چھوٹی کوتاہی پر بھی کوئی نہ کوئی سنا سنایا خوف آڑے آجاتا تھا۔
* ۔ زمین پر نمک یا مرچیں گر جاتی تھیں تو ہوش وحواس اڑ جاتے تھے کہ قیامت والے دن آنکھوں سے اُٹھانی پڑیں گیں۔
* ۔گداگروں کو پورا محلہ جانتا تھا اور گھروں میں ان کے لیے خصوصی طور پر کھلے پیسے رکھے جاتے تھے۔
* ۔ محلے کا ڈاکٹر ایک ہی سرنج سے ایک دن میں پچاس مریضوں کو ٹیکے لگاتا تھا،لیکن مجال ہے کسی کو کوئی انفیکشن ہوجائے۔
* ۔ یرقان یا شدید سردرد کی صورت میں مولوی صاحب ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دم کردیا کرتے تھے اور بندے بھلے چنگے ہوجاتے تھے۔
* ۔گھروں میں خط آتے تھے اور جو لوگ پڑھنا نہیں جانتے تھے وہ ڈاکئے سے خط پڑھواتے تھے۔
* ۔ ڈاکیا تو گویا گھر کا ایک فرد شمار ہوتا تھا خط لکھ بھی دیتا تھا' پڑھ بھی دیتا تھا اور لسی پانی پی کر سائیکل پر یہ جاوہ جا۔
* ۔امتحانات کا نتیجہ آنا ہوتا تھا تو'نصر من اللہ وفتح قریب' پڑھ کر گھر سے نکلتے تھے اور خوشی خوشی پاس ہوکر آجاتے تھے۔
* ۔یہ وہ دور تھا جب لوگ کسی کی بات سمجھ کر''اوکے''نہیں''ٹھیک ہے'' کہا کرتے تھے۔
* ۔ موت والے گھر میں سب محلے دار سچے دل سے روتے تھے اور خوشی والے گھر میں حقیقی قہقہے لگاتے تھے۔
* ۔ہر ہمسایہ اپنے گھر سے سالن کی ایک پلیٹ ساتھ والوں کو بھیجتا تھا اور اُدھر سے بھی پلیٹ خالی نہیں آتی تھی۔
* ۔ میٹھے کی تین ہی اقسام تھیں۔۔۔حلوہ، زردہ چاول اور کھیر آئس کریم دُکانوں سے نہیں لکڑی کی بنی ریڑھیوں سے ملتی تھی۔
* ۔گلی گلی میں سائیکل کے مکینک موجود تھے جہاں کوئی نہ کوئی محلے دار قمیص کا کونا منہ میں دبائے' پمپ سے سائیکل میں ہوا بھرتا نظر آتا تھا۔
* ۔نیاز بٹتی تھی تو سب سے پہلا حق بچوں کا ہوتا تھا۔ہر دوسرے دن کسی نہ کسی گلی کے کونے سے آواز آجاتی ''کڑیو منڈیو شے ونڈی اے، لے جاؤ'۔اور آن کی آن میں بچوں کا جم غفیر جمع ہوجاتا اور کئی آوازیں سنائی دیتیں ''میرے بھائی دا حصہ وی دے دیو'۔
* ۔دودھ کے پیکٹ اور ڈُکانیں تو بہت بعد میں وجود میں آئیں' پہلے تو لوگ 'بھانے' سے دودھ لینے جاتے تھے۔
* ۔گفتگو ہی گفتگو تھی' باتیں ہی باتیں تھیں' وقت ہی وقت تھا۔
* ۔گلیوں میں چارپائیاں بچھی ہوئی ہوتی تھیں' محلے کے بابے حُقہ پی رہے ہوتے تھے اور پرانے بزرگوں کے واقعات بیان کررہے ہوتے تھے۔
* ۔جن گھروں میں ٹی وی آچکا تھا انہوں نے اپنے دروازے محلے کے بچوں کے لیے ہمیشہ کھلے رکھے۔
* ۔مٹی کا لیپ کی ہوئی چھت کے نیچے چلتا ہوا پنکھا سخت گرمی میں بھی ٹھنڈی ہوا دیتا تھا۔لیکن...پھر اچانک سب کچھ بدل گیا۔

ہم قدیم سے جدید ہوگئے

* ۔اب باورچی خانہ سیڑھیوں کے نیچے نہیں ہوتا۔کھانا بیٹھ کر نہیں پکایا جاتا۔ دسترخوان شائد ہی کوئی استعمال کرتا ہو۔منجن سے ٹوتھ پیسٹ تک کے سفر میں ہم نے ہر چیز بہتر سے بہتر کر لی ہے،لیکن پتہ نہیں کیوں اِس قدر سہولتوں کے باوجود ہمیں گھر میں ایک ایسا ڈبہ ضرور رکھنا پڑتا ہے،جس میں، ڈپریشن' سردرد' بلڈ پریشر' نیند اور وٹامنز کی گولیاں ہر وقت موجود ہوں۔

آپ کے اعضاء کب ڈرتے ہیں

1۔ معدہ(Stomach)اس وقت ڈرا ہوتا ہے جب آپ صبح کا ناشتہ نہیں کرتے۔

2۔گردے(Kidneys) اس وقت خوفزدہ ہوتے ہیں جب آپ 24 گھنٹے میں 10 گلاس پانی نہیں پیتے۔

3۔پتہ(Gall bladder)اس وقت پریشان ہوتا ہے جب آپ رات

11 بجے تک سوتے نہیں اور سورج طلوع سے پہلے جاگتے نہیں ہیں۔

4۔چھوٹی آنت (small intestines) اس وقت تکلیف محسوس کرتی ہے جب آپ ٹھنڈے مشروبات پیتے ہیں اور باسی کھانا کھاتے ہیں۔

5۔بڑی میں آنت (Large intestine) اس وقت خوفزدہ ہوتی ہے جب زیادہ تلی ہوئی یا مصالحہ دار چیز کھاتے ہیں۔

6۔پھیپھڑے (Lungs) اس وقت بہت تکلیف محسوس کرتے ہیں جب آپ دھواں دھول سگریٹ بیڑی سے آلودہ فضا میں سانس لیتے ہیں۔

7۔جگر (Liver) اس وقت خوفزدہ ہوتا ہے جب آپ بھاری تلی ہوئی خوراک اور فاسٹ فوڈ کھاتے ہیں۔

8۔دل (Heart) اس وقت بہت تکلیف محسوس کرتا ہے جب آپ زیادہ نمکین اور کولیسٹرول والی غذا کھاتے ہیں۔

9۔لبلبہ (Pancreas) لبلبہ اس وقت بہت ڈرتا ہے جب آپ کثرت سے مٹھائی کھاتے ہیں اور خاص کر جب وہ فری دستیاب ہو۔

10۔آنکھیں (Eyes) اس وقت تنگ آ جاتی ہیں جب اندھیرے میں موبائل اور کمپیوٹر پر ان کی تیز روشنی میں کام کرتے ہیں۔

11۔دماغ (Brain) اس وقت بہت دکھی ہوتا ہے جب آپ منفی negative سوچتے ہیں۔

اپنے جسم کے اعضاء کا خیال رکھئے اور ان کو خوفزدہ مت کیجئے۔

آفتاب شاہ

خودکشی کا لفظ دنیا سے بیزاری اور ناامیدی کی پیداوار ہے۔یہ ناامیدی اصل میں خدا سے انکار کا ردّ بھی ہے اور اپنی کم عقلی اور کم تر ہونے کا احساس بھی ہے۔یہ کم عقلی کبھی کبھی دوسروں کی شخصیات کو مہان کر کے دکھاتی ہے اور بعض اوقات اپنی غلطی کو غلطان کر کے پیش کرتی ہے۔خودکشی اس انتہا پسندی کا نتیجہ ہے جو کسی بھی فریق کو دنیا سے کنارہ کش ہونے پر مجبور کر دیتی ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ دنیا میں خودکشی کرنے والے زیادہ تر مرد ہوتے ہیں شاید عورت برداشت کے اصول کو زندگی کے ہر حصے میں مرد سے زیادہ سمجھتی ہے۔

***

اردو کو نادان دوستوں سے بچایئے!

عاصی صحرائی

تین چار دن پہلے ایک معروف ادارے کی طرف سے ایک تقریب کا دعوت نامہ موصول ہوا جو کسی کانفرنس کے ضمن میں تھا۔ اس میں لکھا تھا ''برخط''۔دماغ چکرا گیا! یا اللہ! یہ برخط'' کیا بلا ہے؟ خط پر یعنی مکتوب پر یا اس خط پر جو منحنی ہوتا ہے یا مستقیم!

کافی دیر سوچنا پڑا۔اچانک دماغ میں بجلی کوندی! ہت تیرے کی! ''آن لائن'' کا ترجمہ داغا گیا ہے۔آن لائن یعنی ''برخط''۔

سنا ہے کہ میرٹھ میں اللہ کے بندے ''رگِ گُل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں یہ ''اللہ کے بندے'' تو اس لیے لکھا ہے کہ اصل الفاظ کی، جو اس شعر میں ہیں، اجازت ہمارے ایڈیٹر صاحب کبھی نہیں دیں گے!

اردو کا بھی عجیب المیہ ہے۔دو انتہاؤں کے درمیان پِس رہی ہے۔ ایک طرف تو لارڈ کلائیو اور میکالے کی وہ ذرّیت ہے جو اردو بولتے ہوئے ایک ایک فقرے میں انگریزی کے دس دس پیوند لگاتی ہے' اور دوسری طرف اردو کے وہ نادان دوست ہیں جو اردو کو اجنبی اور غیر مانوس الفاظ سے بھر کر غرابت زدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔فیس بک کو کتاب چہرہ' کہہ رہے ہیں جب کہ مزدور بھی فیس بک ہی کہتا ہے۔اب ہوسکتا ہے ''آن لائن'' کو ایرانی ''برخط'' کہتے ہوں مگر فارسی فارسی ہے اور اردو اردو! اور پھر اگر شرح آرزو، زبانِ غیر ہی سے کرنی ہے تو ''برخط'' بھی زبانِ غیر ہے اور ''آن لائن'' بھی زبانِ غیر! مگر فرق یہ ہے کہ پاکستان میں شاید ہی کوئی ہو جسے آن لائن کا مطلب نہ معلوم ہو۔دو سال سے کورونا چھایا ہوا ہے۔طلبا اور طالبات کے ان پڑھ والدین کو بھی معلوم ہے کہ آن لائن کس چڑیا کا نام ہے۔اداروں کے نائب قاصدوں اور خاکروبوں کو بھی پتا ہے کہ میٹنگ یا کانفرنس آن لائن ہو تو اس کا کیا مطلب ہے! اس کے برعکس ''برخط'' مکمل اجنبی لفظ ہے۔اور اگر ایران ہی کی تقلید کرنی ہے تو صرف ''برخط'' کیوں؟ آئس کریم کو بستنی کہیے، جوڑنے والی ٹیپ کو چسب اور ڈرائیور کو رانندہ!

بچے بچے کو معلوم ہے کہ اردو کا خمیر آمیزش سے اُٹھا ہے اور اس کے مزاج میں وسعت اور فراخ دلی ہے۔انگریزی کے سینکڑوں الفاظ گاؤں

گاؤں قصبے قصبے میں سمجھے اور بولے جاتے ہیں۔مگر اب اگر یارانِ ہوش مند، ان الفاظ کو ہٹا کر غیر مانوس اور نہ سمجھ آنے والے الفاظ سے اردو کی ''خدمت'' کرنا چاہتے ہیں تو اس کارِخیر میں ہم بھی اپنا حصہ ڈال کر ان یارانِ ہوش مند کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔اگر آن لائن کو برخط' اور فیس بک کو کتاب چہرہ' کہنا چاہیے تو بائی پاس آپریشن کو ساتھ گزرنا جراحی' کہنا چاہیے۔نکٹائی ''گردن باندھ'' کہلائے گی۔ پاسپورٹ کو ''گزر بندرگاہ'' کہیں گے، کریڈٹ کارڈ ''ادھار گتہ'' ہو جائے گا۔بجلی کی لائن کو بجلی کا خط' کہیں گے۔رجسٹرار سے مراد لمبی کاپی والا ہوگا۔ہاکی کو آگے سے مڑا ہوا ڈنڈا کہا جائے گا۔آج کل دکانوں کا نام کیش اینڈ کیری رکھنے کا رواج ہے۔اگرچہ سب سمجھتے ہیں کہ کیش اینڈ کیری کیا ہے مگر چونکہ ہمارا مشن نامانوس اور ناقابل فہم الفاظ کو زبردستی اردو میں گھسیڑنا ہے اس لیے کیش اینڈ کیری کو کہیں گے ''نقد اور اٹھاؤ''۔ٹوتھ پیسٹ کا نام ''دانت قوام'' رکھیں گے۔ٹوتھ برش کو ''دانت جھاڑو'' کہیں گے۔کار کی بریک کا نام ''گاڑی روک'' ہوگا۔چیلنج کرنے کو للکارنا کہیں گے۔

کرکٹ بھی انگریزی کا لفظ ہے۔اسے بھی بدلنا لازم ہے' چنانچہ اس کا مناسب نام ولایتی گلی ڈنڈا' ہوگا۔فٹ بال کو پاؤں گیند' کہیں گے۔الارم کو خطرہ چیخ' کہیں گے۔ایک اور مصیبت دیکھئے کہ ریل اور ٹرین دونوں انگریزی الفاظ ہیں۔دیہاتی بھی ریل گڈی کہتے ہیں' مگر ریل کے لفظ سے جان چھڑانی ضروری ہے۔اس لئے آئندہ ریل کو لوہے پر چلنے والی گاڑی' کہیں گے۔ پنسل کے لیے سیسے والا قلم' فاؤنٹین پین کے لیے فوارہ قلم' اور ربڑ کے لیے رگڑنے والی' مناسب نام ہیں۔یہ انٹرنیٹ کا زمانہ ہے۔انٹرنیٹ اہلِ مغرب کی ایجاد ہے۔کمبختوں نے ایجاد کرنے کے بعد ہم سے پوچھا ہی نہیں کہ اس ایجاد کا نام کیا رکھا جائے۔اب ہم خود اس کا نام رکھیں گے۔آج سے انٹرنیٹ کا نام درمیان جال' ہوگا۔پاس ورڈ کو کامیاب لفظ' کہیں گے۔کیک بھی فرنگی لغت ہے۔اس کا نام ہوگا انگریزی مٹھائی کا ٹیلہ' اور پیسٹری کو کہیں گے انگریزی مٹھائی کی چھوٹی سی پہاڑی'! بیگم کے لیے نئی لپ سٹک خریدیں گے تو پیش کرتے وقت کہیں گے جان من یہ لیجیے نئی ہونٹ ڈنڈی'! ڈبل روٹی کا مسئلہ تو بہت آسان ہے دُہری روٹی'! کالر کا نام ہوگا گریبان پٹہ'! سویٹر کو پسینہ آور' کہیں گے۔بچے کو ریموٹ کنٹرول پکڑانے کے لیے کہنا ہو تو کہیں گے بیٹے! ذرا یہ دور اختیار' دینا!! کچھ الفاظ کی اردو ہماری محدود اور ناقص سمجھ سے باہر ہے۔جیسے ایکسرے، واٹس ایپ، ٹریکٹر، ٹکٹ، بل، انجن، سرنج۔اس کے لیے انہی نابغوں اور عبقریوں کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنا ہوگا جن کا ذکر خیر اوپر ہو چکا ہے۔صرف مفتوح کی زبان میں فاتح کی زبان کے الفاظ نہیں درآتے! فاتح کی زبان بھی نئے الفاظ قبول کرتی ہے۔یہ دوطرفہ عمل ہے۔

چلم، چادر، چٹنی، کھوپرا، لاکھ، کروڑ، دھتورا، درویش، اچار، امیر، آنہ، بازار، پشمینہ، دیوالی، دھوبی، دھوتی، دربار، فقیر، فتویٰ، ساری، سلطان، زمیندار، پکوڑا، دارالحرب، دارالاسلام، ڈھابہ۔

ان سینکڑوں الفاظ میں سے محض چند ایک ہیں' جو ہمارے ہاں سے انگریزی زبان میں داخل ہو کر ان کی لغت کا حصہ بن چکے ہیں۔دو انگریز سکالرز نے ایک لغت تالیف کی ہے جس میں ان الفاظ اور محاوروں کو یکجا کیا ہے جو چینی، عربی، فارسی اور برِصغیر کی زبانوں سے انگریزی زبان میں داخل ہوئے اور انگریزی کا حصہ بن گئے۔ایک ہنری یُول تھا جو اصلاً انجینئر تھا۔ دوسرا آرتھر برنل تھا' جو جج تھا۔دونوں انیسویں صدی میں ہندوستان رہے اور یہ لغت مرتب کی۔اس لغت کا نام ہابسن جابسن ہے۔پہلی بار یہ 1886ء میں شائع ہوئی۔گزشتہ ایک سو پینتیس برسوں میں ہابسن جابسن کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔اس کا ایک نسخہ اس کالم نگار کی لائبریری میں بھی موجود ہے جو برطانیہ کا چھپا ہوا ہے۔

زبان دریا کی طرح ہوتی ہے۔یہ اپنے راستے خود بناتی ہے۔کس زبان سے کون سا لفظ لے کر اپنے اندر جذب کرنا ہے، کون سا باہر اُگل دینا ہے، اس کا فیصلہ زبان خود کرتی ہے۔چند افراد لاکھوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر لاکھوں کروڑوں لوگ ہسپتال کا لفظ استعمال کر رہے ہیں تو کوئی بھی انہیں شفاخانہ کہنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ایک عامل یہ بھی ہے کہ کوئی شے ایجاد کس نے کی ہے؟ کھانڈ ہندوستان میں ایجاد ہوئی۔قند اور کینڈی کھانڈ ہی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔الجبرا عربوں کی ایجاد ہے تو یہی نام انگریزی میں بھی رائج ہے۔مُشک کو انگریزی میں مسک کہتے ہیں۔پلاؤ ترکوں کی ایجاد ہے۔ساری دنیا پلاؤ ہی کہتی ہے۔ہاں روسیوں نے پلاف کر دیا۔جدید ایجادات ساری جن کی ہیں نام بھی انہی کے چلیں گے۔ہم نے خودکُش جیکٹ ایجاد کی ہے۔یہ لفظ بھی انگریزی زبان میں داخل ہو جائے گا' مگر کچھ وقت لگے گا۔ہمیں صبر سے کام لینا ہوگا۔

***

ڈپریشن

رجل خوشاب

ایک 50 سالہ شریف آدمی ڈپریشن کا شکار تھا اور اس کی بیوی نے ایک ماہر نفسیات سے ملاقات کی۔ بیوی نے کہا: وہ شدید ڈپریشن میں ہے، براہ کرم مدد کریں۔ ڈاکٹر نے اپنی مشاورت شروع کی۔ اس نے کچھ ذاتی باتیں پوچھی اور شریف آدمی کی بیوی کو باہر بیٹھنے کو کہا صاحب بولے میں بہت پریشان ہوں دراصل میں پریشانیوں سے مغلوب ہوں، ملازمت کا دباؤ بچوں کی تعلیم اور ملازمت کا تناؤ، ہوم لون، کار لون، مجھے کچھ پسند نہیں۔ دنیا مجھے پاگل سمجھتی ہے لیکن میرے پاس اتنا سامان نہیں جتنا کہ ایک کارتوس میں، بہت اداس اور پریشان ہوں. یہ کہہ کر اس نے اپنی پوری زندگی کی کتاب ڈاکٹر کے سامنے کھول دی۔ پھر ڈاکٹر نے کچھ سوچا اور پوچھا، آپ نے دسویں جماعت کس سکول میں پڑھی، شریف آدمی نے اسے سکول کا نام بتایا۔ ڈاکٹر نے کہا: آپ کو اس اسکول میں جانا ہے۔ اپنے اسکول سے آپ اپنی دسویں کلاس کا رجسٹر تلاش کرنا ہے اور اپنے ساتھیوں کے نام تلاش کرنے ہیں اور ان کی موجودہ خیریت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہیں۔ ایک ڈائری میں تمام معلومات لکھیں اور ایک مہینے کے بعد مجھ سے ملیں۔ شریف آدمی اپنے اسکول گیا، رجسٹر ڈھونڈنے میں کامیاب رہا، اور اسے کاپی کروایا۔

اس میں 120 نام تھے۔ اس نے ایک مہینے میں دن رات کوشش کی، لیکن وہ بمشکل 75-80 ہم جماعتوں کے بارے میں معلومات جمع کرنے میں کامیاب رہا۔ حیرت!!! ان میں سے 20 مر چکے تھے۔ 7 رنڈوے اور 13 طلاق یافتہ تھے۔ 10 ایسے نکلے جو کہ بات کرنے کے قابل بھی نہیں تھے -5 اتنے غریب نکلے کہ کوئی ان کا جواب نہ دے سکا۔ 6 اتنے امیر نکلے کہ اسے یقین ہی نہیں آیا۔ کچھ کینسر میں مبتلا تھے، کچھ فالج کا شکار تھے، کچھ ذیابیطس، دمہ یا دل کے مریض تھے، کچھ لوگ بستر پر تھے جن کے ہاتھوں، ٹانگوں یا ریڑھ کی ہڈی میں چوٹیں آئی تھیں۔ کچھ کے بچے پاگل، آوارہ یا بیکار نکلے. ایک جیل میں تھا۔ ایک شخص دو طلاق کے بعد تیسری شادی کی تلاش میں تھا۔ ایک ماہ کے اندر، دسویں جماعت کا رجسٹر خود قسمت کی اذیت بیان کر رہا تھا۔ ڈاکٹر نے پوچھا: اب بتاؤ تمہارا ڈپریشن کیسا ہے؟ شریف آدمی سمجھ گیا کہ اسے کوئی بیماری نہیں تھی، وہ بھوکا نہیں تھا، اس کا دماغ کامل تھا، اسے عدالت پولیس وکلاء کا کوئی مسئلہ نہ تھا، اس کی بیوی اور بچے بہت اچھے اور صحت مند تھے، وہ خود بھی صحت مند تھا۔ اس آدمی کو احساس ہوا کہ واقعی دنیا میں بہت زیادہ دکھ ہے، اور وہ بہت خوش قسمت ہے کہ اُسے تو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ دوسروں کی پلیٹوں میں جھانکنے کی عادت چھوڑیں، اپنی پلیٹ کا کھانا پیار سے لیں۔ دوسروں کے ساتھ اپنا موازنہ نہ کریں ہر کسی کی اپنی اپنی قسمت ہوتی ہے اور پھر بھی، اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ ڈپریشن میں ہیں، تو آپ کو بھی اپنے سکول جانا چاہیے۔

سیماب اکبر آبادی

اِدھر برقِ تپاں رکھ دی اُدھر برقِ تپاں رکھ دی
محبت میں میری ہستی غضب کے درمیاں رکھ دی
میرے سینے میں دل رکھا میرے منہ میں زباں رکھ دی
جہاں رکھنے کی جو تھی چیز قدرت نے وہاں رکھ دی
یہ کس نے شاخِ گل لا کر قریب آشیاں رکھ دی
کہ میں نے شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھ دی
دعا جب بے اثر ٹھہری تو پھر حکمِ دعا کیوں ہے
میری باتوں سے تھی نفرت تو کیوں منہ میں زباں رکھ دی
جو دل اُن سے طلب میں نے کیا تو یوں لگے کہنے
ذرا سی چیز تھی ہم نے خدا جانے کہاں رکھ دی
سنا تھا قصہ خواں کوئی نیا قصہ سنائے گا
ہمارے منہ پہ ظالم نے ہماری داستاں رکھ دی
خلوصِ دل سے سجدہ ہو تو اس سجدے کا کیا کہنا
وہیں کعبہ سرک آیا جبیں ہم نے جہاں رکھ دی
اُٹھایا میں نے شامِ ہجر لُطفِ گفتگو کیا کیا
تصور نے تری تصویر کے منہ میں زباں رکھ دی

***

انفرادی ترقی کا راز اور اس کے چند بنیادی اصول

شہزادہ مبشر گلاسگو
(سکاٹ لینڈ)

برصغیر پاک و ہند ہو یا برطانیہ کے ایشین معاشرے میں آپ کہیں بھی یہ جائزے لے کر دیکھ لیں تو عموماً دس میں سے نو آدمی آپ کو ایسے ملیں گے جن کی عمریں نصف سے زیادہ بغیر کسی ترقی کے گزری ہوں اگر ان سے سب پوچھا جائے تو وہ صرف کہیں گے کہ ہمارے سامنے کوئی عمدہ موقع پیش نہیں آیا۔ واقعات ہمیشہ ہمارے خلاف رہے دوسرے لوگوں کی طرح نہ ہی ہماری کسی مدرسہ میں تعلیم ہوئی ہے اور نہ ہی ان کی طرح کام کرنے کا موقع پیش آیا۔ پس حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کو جوانی یا جوانی کے بعد کوئی نہ کوئی کام کرنے کا موقع ضرور پیش آتا ہے اور ہر کام اگر مستعدی اور کشادہ دلی سے کیا جائے اور اسے ممکن سے عجلت کے ساتھ انجام دینے کی فکر کی بجائے اس میں آگے بڑھنے کے مواقع پوشیدہ ہوتے ہیں کسی محکمہ کے مالک کو بحیثیت نوکر گستاخانہ جواب دینا اور اپنے کاموں میں غفلت اور لاپرواہی برتنا تمام آنے والی خوشیوں اور کامیابیوں میں رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے فرائض کو نہیں سمجھتے وہ جو بھی کام کرتے ہیں بددلی کی وجہ سے اسے خراب کر دیتے ہیں انہیں شروع شروع میں وہ غلطیاں بہت خفیف معلوم ہوتی ہیں لیکن یہی نقائص بعد میں کامیابیوں کے راستے میں رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ بھی غور نہیں کرتے کہ ان کے بزدلانہ اطوار ان کی غفلت اور کم ہمتی خود ان کی کامیابیوں کے لئے سدراہ ہوگی وہ کبھی اپنے منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکیں گے۔ جوانی کو حقیر و ناچیز سمجھ کر انسان زیادہ سے زیادہ چپراسی یا کلرک یا کاشت کار ہی بن سکتا ہے جس کے بعد زندگی کے ان نقائص کو دور کرنا اس سے امکان سے باہر ہو جاتا ہے پھر وہ اس قابل نہیں رہتا کہ اپنی مقررہ قلیل آمدنی کے اسباب پر غور کر سکے۔

ہزاروں آدمی بظاہر کسی عمدہ موقع کی تلاش میں رہتے ہیں لیکن جب انہیں کوئی ایسا موقع میسر آجاتا ہے تو اس سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھاتے اس امر کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کہ ہمارے آباؤ اجداد کیا تھے اور انہوں نے باقاعدہ کسی اسکول کالج سے کوئی سند حاصل کی یا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں وہ امداد جن میں دوسروں سے مل رہی ہے اس پر کبھی مطمئن نہ ہوں بلکہ اس پر فخر کریں کہ ہم اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کی عادت غیر محسوس طور پر انسانی طاقتوں کی نشوونما کرتی ہیں کیونکہ دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنا اپنے آپ کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ یہ ہرگز قابل عذر بات نہیں کہ ہم نے کسی قدر ناز و نعم میں پرورش پائی ہے یا ہماری سوسائٹی کس قدر وسیع ہے ان باتوں کے باوجود اگر ہم میں ذاتی اعتماد نہیں ہے تو ہم کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتے یاد رکھیں کہ ایک مستقل مزاج کی کامیابی کے راستے میں دنیا کی کوئی طاقت سدراہ نہیں ہو سکتی خواہ اسے کتنی ہی تنگ و مشکل مفلسی کی حالت میں رکھا جائے یا اسے تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے ہمیں اس امر کا بھی خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ہم ایک جھونپڑی میں پیدا ہوئے تھے یا ایک ملک میں بلکہ ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے اپنی قسمت کا موقع کا انتظار نہیں کرنا چاہئے ہمارے دلوں میں کام شروع کرنے سے قبل عمدہ اوزاروں کی ضرورت کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے کیونکہ جو لوگ اپنی زندگی میں بڑے بڑے کام کر چکے ہیں وہ کسی اوزار یا سرمائے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے جتنے بھی بڑے لوگ دیکھے جائیں ان کی سوانح عمری سے معلوم ہوگا کہ ان میں 99 فیصد غریب گھرانے میں پیدا ہوئے انہوں نے محنت اور جدوجہد کو اپنایا اور مستقل مزاجی کو اختیار کیا جس سے وہ دنیا میں بڑے انسان بنے۔ دنیا میں بڑا آدمی بننے کے لئے دولت اور امیر دوستوں کی قطعی ضرورت نہیں عظمت خود انسان میں موجود ہے وہ سنہری اتفاقات جن کی ہمیں تلاش ہے وہ خود ہم میں موجود ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ہم کوشش کریں عمل کریں اور خدائے حی و قیوم سے نصرت طلب کریں۔ اور زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے عزم کی ضرورت ہے بعض اوقات دولت کی چھاؤں میں یہ عزم کم ہوتا ہے اور بعض اوقات غربت کی دھوپ میں یہ عزم بہت پر جوش ہوتا ہے دنیا کے ایک معروف مفکر فرانس بیکن نے کہا تھا کہ میں نے دنیا کے عظیم انسانوں کو افلاس کی جھونپڑیوں سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ مشکلات انسان کو تباہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ بنانے کے لئے آتی ہیں۔ مشکلات اور ناکامیوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں اندھیروں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اندھیروں میں نیچے کی بجائے اوپر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ جہاں چاند ستارے چمک رہے ہوتے ہیں اوپر

دیکھنا ہی عزم ہے ستارے خود بتاتے ہیں کہ ابھی سحر طلوع ہونے والی ہے آگے بڑھیئے اور اپنا مستقبل بنائیے۔

میں بچپن سے ایک فقرہ اکثر اپنے دوستوں کی محفل میں کہا کرتا ہوں کہ جب دریا اپنی گزرگاہ خود بناتے ہیں تو کوئی نہیں کہ انسان جو اشرف مخلوقات ہے اپنے حالات کی تصویر خود نہ بنا سکے۔ یہ کسی دانشور اور مفکر کا فقرہ سن کر بہت سے کمزور اور مایوس بددل کم حوصلہ لوگوں کو ایک نیا عزم حوصلہ جرأت پیدا ہوتی ہے اور ایک نئے ولولے کے ساتھ کام کرنے اور خود اعتمادی کے ساتھ محنت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں کامیابی نام ہے صرف عزم وارادہ کی مضبوطی کا مسلسل جدوجہد اور مشکلات کا جوانمردی سے مقابلہ کرنے کا اور قدم بہ قدم منزل بہ منزل آگے بڑھتے رہنے کا جب کسی قوم یا افراد نے یہ مسلک اختیار کیا تو بالآخر کامیابی نے قدم چومے انسان خواہ وہ قطب شمالی میں پیدا ہوا ہو یا جنوبی میں سعی عمل سے سب کچھ کر سکتا ہے بعض لوگ کام کرنے سے پہلے نامساعد حالات کا سہارا لے کر ترقی کے زینے پر قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے حالانکہ عظیم لوگوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے حالات کے مجسمے کو خود اپنے ہاتھوں سے تراشا اور دریا کی طرح اپنی گزرگاہ خود بنائی۔ امریکہ کے ڈیل کارینگی کی کامیابی کا راز وقت کے صحیح استعمال میں مضمر تھا۔ وہ دو دو ہفتے تک لباس بھی تبدیلی نہ کرتا اور مطالعہ میں منہمک رہتا۔ آپ کو کام کرنے سے پیشتر اپنی کم عمری اور ناتجربہ کاری سے خوف نہیں کھانا چاہئے بلکہ خود اعتمادی سے عمل کے دامن کو تھامیے۔ محمد بن قاسم نے سترہ سال کی عمر میں سندھ فتح کیا تھا نیلسن بیس سال کی عمر میں بحریہ میں لیفٹیننٹ کے عہدے پر سرفراز ہو گیا سکندر اعظم نے سلسلہ فتوحات بیس سال کی عمر میں شروع کر دیا۔ الیور کرامیل چودہ سال کی عمر میں گریجویٹ ہو گیا۔ جولیس سیزر روم کا فاتح ابھی شباب میں تھا کہ اس نے آٹھ سو شہروں کو فتح کیا تین سو قوموں کو شکست دی تیس لاکھ سپاہ کو مغلوب کیا اور دنیا کا سب سے بڑا جرنیل فاتح اور سیاستدان تسلیم کیا گیا۔ واشنگٹن انیس سال میں ایڈ جوائنٹ جنرل ہوا اکیس سال میں سفیر فرانس بنا اور بائیس سال کی عمر میں فوج کا سپہ سالار ہو گیا ٹام ایلوا ایڈیسن نے اٹھارہ سال کی عمر میں آواز کی لہروں کو معلوم کیا اور بیس سال کی عمر میں برقی لیمپ ایجاد کیا۔ غرض یہ کہ تاریخ میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ہمیں ملتی ہیں جس کی چند مثالیں بطور نمونہ میں نے تحریر کی ہیں۔ بہر حال ہر فرد کو محنت ومشقت واستقلال اور غور وفکر کا جذبہ جو قدرت نے ودیعت کیا ہوا ہے اس سے کام لینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہئے۔ اور جدوجہد کے میدان میں آگے ہی آگے بڑھتے رہنا چاہئے۔ جذبہ محنت اور پرخلوص محنت اور جدوجہد پختہ عزم جیسے اوصاف پیدا کرنے چاہئیں۔ متانت وسنجیدگی گل نے بردباری اور خاموشی سے محنت واستقلال انہاک واستغراق کا بے پایاں جذبہ پیدا کرنا چاہئے۔ انسان کی شاندار ترقی اور عروج کا راز دراصل جذب محنت علم وفن سے گہرے لگاؤ اپنے مقصد سے گہری لگن اور اس میں مہارت حاصل کرنے کے بے پناہ شوق میں مضمر ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی شخص کو اپنے کام سے واقعی دلی لگاؤ ہو تو وہ اسے لازماً پوری دلجمعی سے انجام دے گا ایسی صورت میں چاہے کوئی کام کتنی ہی محنت اور جانفشانی سے کیوں نہ کیا جائے اس کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا اس کی نہ صرف کارکردگی بڑھ جاتی ہے لیکن بلکہ لگن اور شوق میں بھی بتدریج اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

ایک فلسفی کا کہنا ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے ہم اس کے بارے میں بہت کم سوچتے ہیں لیکن جو کچھ نہیں اس کے لئے اکثر فکرمند رہتے ہیں' یہ طرز فکر انسانی زندگی کا سب سے بڑا عذاب ہے جو چیز آپ کی دسترس سے باہر ہے یا آپ کے پاس نہیں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہونا بے فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کے متعلق سوچیے اگر آپ کو شکایت ہے کہ مکان چھوٹا ہے۔ تو ان بے آسرا لوگوں کو یاد کیجئے جن کے پاس سر چھپانے کیلئے کوئی جگہ نہیں اگر آپ اپنے سے نیچے کے لوگوں کے بارے میں سوچیں گے تو سکون سے رہیں گے اپنے سے اونچے لوگوں کا تصور کریں گے تو بھی پریشانی سے چھٹکارا نہیں پا سکیں گے۔ سوچ کا یہ انداز غیر صحت مندانہ اور منفی ہے اپنے ذہن میں مثبت اور صحت مندانہ خیالات کو جگہ دیں اپنی صلاحیتوں کو ضائع ہونے سے بچانا نہایت ضروری ہے اپنے خیالات کا سختی سے محاسبہ کیا جائے منفی خیالات اور احساسات پر سنسر لگا دیجئے۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ انسان اکثر جس کام کے بارے میں سوچتا ہے کہ وہ اسے کر سکتا ہے اسے فی الواقع کر بھی لیتا ہے۔ زندگی کی حقیقی خوشیوں سے لطف اٹھانے کے لئے آپ کو اپنے خیالات اور سوچ بچار میں راستی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ منفی خیالات کو ذہن سے جھٹک دیجئے ہر نئے دن کا آغاز اس امید پر کیجئے کہ اسے حتی الامکان روشن اور تابناک بنانا ہے۔ یقین جانیں آپ کو قدم قدم پر ان گنت خوشیاں اور ترقی کی منزلیں اپنے

لئے چشم براہ ملیں گی۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے پیروں میں جوتے نہیں تھے جس کا ان کو قلق اور افسوس تھا تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ ایک شخص جس کے دونوں پیر نہیں وہیں زمین پر گھسیٹا ہوا چلا آ رہا تھا انہوں نے اپنے پیروں کو سلامت ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے منفی خیالات کو مثبت خیالات میں بدل دیئے۔ اکثر ہمت اور قوت ارادی کے مضبوط اشخاص کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب وہ کسی حادثہ میں زخمی ہوجائیں اور ان کا کوئی عضو ضائع ہو جائے تو وہ اس کا افسوس نہیں کرتے بلکہ ہر عیادت کرنے والے سے بھی کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے میری جان بچ گئی جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو گیا مگر خدا کا شکر ہے کہ میری جان بچ گئی' کہہ کر اپنے ذہن کو مثبت جذبات و احساس سے لبریز کر دیا ہے۔ ہمارا دین اسلام بھی ہمیں ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

انسانی گردے کی قیمت - عاصی صحرائی

کراچی میں گردے کے ایک اسپیشلسٹ ہیں، ان سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ ایک انسان کے جسم سے گردہ نکال کر دوسرے انسان کو لگا دیتے ہیں، لیکن اب تو سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے تو کوئی مصنوعی گردہ کیوں نہیں بنا لیتے، تا کہ دوسرے انسان کے گردے کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے؟ وہ ہنس کر جواب دینے لگے، کہ اول تو سائنس کی اس ترقی کے باوجود مصنوعی گردہ بنانا بڑا مشکل ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے گردے کے اندر جو ایک چھلنی لگائی ہے وہ اتنی لطیف اور باریک ہے کہ ابھی تک کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوئی جو اتنی لطیف اور باریک چھلنی بنا سکے۔ اگر بالفرض ایسی مشین ایجاد ہو بھی جائے اور ایسی چھلنی بنا بھی لی جائے تو اس پر اربوں روپے خرچ ہوں گے، اور اگر اربوں روپے خرچ کر کے ایسی چھلنی بنا لی جائے تب بھی گردے کے اندر ایک چیز ایسی ہے جو ہماری قدرت سے باہر ہے، وہ چیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے گردے کے اندر ایک دماغ بنایا ہے جو فیصلہ کرتا ہے کہ اس آدمی کے جسم کو کتنا پانی ضرورت ہے، کتنا پانی جسم میں رکھنا ہے اور کتنا پانی باہر پھینکنا ہے۔ ہر انسان کا گردہ اس انسان کے حالات کے مطابق، اس کے جسم کے مطابق اور اس کے وزن کے مطابق یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کتنا پانی اس کے جسم میں رہنا چاہیے اور کتنا باہر پھینکنا چاہیے۔ اور اس کا سو فیصلہ فیصد درست ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اتنا پانی جسم میں روکتا ہے جتنے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت سے زائد پانی پیشاب کی شکل میں جسم سے باہر پھینک دیتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم اربوں روپے لگا کر مصنوعی گردہ بنا بھی لیں تب بھی ہم اس کا وہ دماغ نہیں بنا سکتے جو اللہ تعالیٰ ہر انسان کے گردے میں پیدا فرمایا ہے۔۔۔۔۔!!

محبت - عاصی صحرائی

محبت اَبروئے خمدار بھی ہے
یہ نازک ہے مگر تلوار بھی ہے
اسی سے ظلمتوں میں روشنی ہے
اسی سے خلوتوں میں یار بھی ہے
نہیں آسان اتنا راستہ یہ
کہ منزل اسکی سُوئے دار بھی ہے
یہ کھو جائے تو ہے گرداب دنیا
یہ مل جائے تو بیڑا پار بھی ہے
ایسی ہوتی ہے اپنی لگن میں
کچے گھڑے پر کرتی اعتبار بھی ہے
چھڑواتی ہے تخت و تاج شاہ سے
عزت بیگ کو بناتی کمہار بھی ہے
کبھی دکھاتی ہے سپنے سہانے
کبھی کرتی رُسوائی سرِ بازار بھی ہے
کبھی بناتی ہے دیدو رانجھا
کبھی کھدواتی نہر شیردار بھی ہے
رُلاتی ہے اپنے پیچھے در بہ در
کرواتی سگِ لیلیٰ سے پیار بھی ہے
تلاش یار میں ہوتی ہے صحرا نورد
جان دیتی سرے ریگزار بھی ہے
محبت بناتی ہے یادوں کا تاج محل
جو دنیا کا شاہکار بھی ہے
محبت ہے بدنام لیکن
نہ بھولو، سنت پروردگار بھی ہے
گر مل جائے محبت پرور دگار
بناتی دو عالم کا سردارؐ بھی ہے

تاریخ صرف فتوحات گنتی ہے

ابن لطیف

دستر خوان پر پڑے انڈے، جیم اور مکھن نہیں! یہ 1973ء کی بات ہے۔ عربوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ چھڑنے کو تھی۔

ایسے میں ایک امریکی سنیٹر ایک اہم کام کے سلسلے میں اسرائیل آیا۔ وہ اسلحہ کمیٹی کا سربراہ تھا۔ اسے فوراً اسرائیل کی وزیر اعظم ''گولڈہ مائیر'' کے پاس لے جایا گیا۔ گولڈہ مائیر نے ایک گھریلو عورت کی مانند سنیٹر کا استقبال کیا اور اسے اپنے کچن میں لے گئی۔ یہاں اس نے امریکی سنیٹر کو ایک چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل کے پاس کرسی پر بٹھا کر چولہے پر چائے کے لئے پانی رکھ دیا اور خود بھی وہیں آ بیٹھی۔ اس کے ساتھ اس نے طیاروں، میزائلوں اور توپوں کا سودا شروع کر دیا۔ ابھی بھاؤ تاؤ جاری تھا کہ اسے چائے پکنے کی خوشبو آئی۔ وہ خاموشی سے اُٹھی اور چائے دو پیالیوں میں انڈیلی۔ ایک پیالی سنیٹر کے سامنے رکھ دی اور دوسری گیٹ پر کھڑے امریکی گارڈ کو تھما دی۔ پھر دوبارہ میز پر آ بیٹھی اور امریکی سنیٹر سے محوِ کلام ہو گئی۔ چند لمحوں کی گفت وشنید اور بھاؤ تاؤ کے بعد شرائط طے پا گئیں۔ اس دوران گولڈہ مائیر اٹھی، پیالیاں سمیٹیں اور انہیں دھو کر واپس سنیٹر کی طرف پلٹی اور بولی ''مجھے یہ سودا منظور ہے۔ آپ تحریری معاہدے کے لئے اپنا سیکرٹری میرے سیکرٹری کے پاس بھجوا دیجئے۔

یاد رہے کہ اسرائیل اس وقت اقتصادی بحران کا شکار تھا، مگر گولڈہ مائیر نے کتنی ''سادگی'' سے اسرائیل کی تاریخ میں اسلحے کی خریداری کا اتنا بڑا سودا کر ڈالا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ خود اسرائیلی کابینہ نے اس بھاری سودے کو رد کر دیا۔ اس کا موقف تھا، اس خریداری کے بعد اسرائیلی قوم کو برسوں تک دن میں ایک وقت کھانے پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ گولڈہ مائیر نے ارکان کابینہ کا موقف سنا اور کہا:

''آپ کا خدشہ درست ہے، لیکن اگر ہم یہ جنگ جیت گئے اور ہم نے عربوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا تو تاریخ ہمیں فاتح قرار دے گی اور جب تاریخ کسی قوم کو فاتح قرار دیتی ہے، تو وہ بھول جاتی ہے کہ جنگ کے دوران فاتح قوم نے کتنے انڈے کھائے تھے اور روزانہ کتنی بار کھانا کھایا تھا۔ اسکے دستر خوان پر شہد، مکھن، جیم تھا یا نہیں اور ان کے جوتوں میں کتنے سوراخ تھے یا ان کی تلواروں کے نیام پھٹے پرانے تھے۔ فاتح صرف فاتح ہوتا ہے۔''

گولڈہ مائیر کی دلیل میں وزن تھا، لہٰذا اسرائیلی کابینہ کو اس سودے کی منظوری دینا پڑی۔ آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ گولڈہ مائیر کا اقدام درست تھا اور پھر دنیا نے دیکھا، اسی اسلحے اور جہازوں سے یہودی عربوں کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے۔ جنگ کے ایک عرصہ بعد واشنگٹن پوسٹ کے نمائندے نے گولڈہ مائیر کا انٹرویو لیا اور سوال کیا: ''امریکی اسلحہ خریدنے کے لئے آپ کے ذہن میں جو دلیل تھی، وہ فوراً آپ کے ذہن میں آئی تھی، یا پہلے سے حکمتِ عملی تیار کر رکھی تھی؟'' گولڈہ مائیر نے جو جواب دیا وہ چونکا دینے والا تھا۔ وہ بولی: ''میں نے یہ استدلال اپنے دشمنوں (مسلمانوں) کے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے لیا تھا، میں جب طالبہ تھی تو مذاہب کا موازنہ میرا پسندیدہ موضوع تھا۔ انہی دنوں میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات پڑھی۔ اس کتاب میں مصنف نے ایک جگہ لکھا تھا کہ۔۔۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان کے گھر میں اتنی رقم نہیں تھی کہ چراغ جلانے کے لئے تیل خریدا جا سکے، لہٰذا ان کی اہلیہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) نے ان کی زرہ بکتر رہن رکھ کر تیل خریدا، لیکن اس وقت بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کی دیواروں پر نو یا سات تلواریں لٹک رہی تھیں۔ میں نے جب یہ واقعہ پڑھا تو میں نے سوچا کہ دنیا میں کتنے لوگ ہوں گے جو مسلمانوں کی پہلی ریاست کی کمزور اقتصادی حالت کے بارے میں جانتے ہوں گے لیکن مسلمان آدھی دنیا کے فاتح ہیں، یہ بات پوری دنیا جانتی ہے۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اگر مجھے اور میری قوم کو برسوں بھوکا رہنا پڑے، پختہ مکانوں کی بجائے خیموں میں زندگی بسر کرنا پڑے، تو بھی اسلحہ خریدیں گے، خود کو مضبوط ثابت کریں گے اور فاتح کا اعزاز پائیں گے۔''

گولڈہ مائیر نے اس حقیقت سے تو پردہ اُٹھایا، مگر ساتھ ہی انٹرویو نگار سے درخواست کی اسے ''آف دی ریکارڈ'' رکھا جائے اور شائع نہ کیا جائے۔ وجہ یہ تھی، مسلمانوں کے نبی ﷺ کا نام لینے سے جہاں اس کی قوم اس کے خلاف ہو سکتی ہے، وہاں دنیا میں مسلمانوں کے موقف کو تقویت ملے گی۔ چنانچہ واشنگٹن پوسٹ کے نمائندے نے یہ واقعہ حذف کر دیا۔ وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا، یہاں تک کہ گولڈہ مائیر انتقال کر گئی اور وہ انٹرویو نگار بھی عملی صحافت سے الگ ہو گیا۔

خراشِ قلم

آفتاب شاہ

❁ نیک ہونے کے لیے ضروری نہیں سارا معاشرہ خراب ہو اور خراب ہونے کے لیے ضروری نہیں سارا معاشرہ نیکو کاروں پر مشتمل ہو۔ سوچ کے زاویئے عمر کے کسی بھی حصے میں بگڑ اور سنبھل سکتے ہیں۔ مسجدوں کے گلوں سے پیسے چرانے والے نماز کا مقدس فریضہ ادا کر کے اپنے معاشرتی پیشے کی جانب آتے ہیں اور ریڑھی لگا کر دن بھر کی کمائی مسجد کو دینے والے بھی اسی معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ کوئی موٹیویشنل سپیکر کسی کو چند منٹ سے زیادہ متاثر نہیں کر سکتا جبکہ دل میں آئی بات ہونے تک ٹلتی نہیں۔ سوچنے کے زاویئے کو آئینے کی طرح رکھیں گمان کا سفید بال دل کی آنکھ سے کبھی پوشیدہ نہیں رہے گا۔

❁ محبت کا پرندہ اپنے من پسند پھول کا شیدائی ہوتا ہے۔ ہزاروں پھول موجود ہوتے ہیں لیکن وہ اسی کی خوشبو سے اپنے دل کو معطر کرنا چاہتا ہے جو خوشبو اس کی رُوح میں اُتر چکی ہوتی ہے۔ اس خوشبو کا رنگ ہمیشہ دل کی دنیا کو ایک ہی شخص وابستہ رکھنے کا ہنر جانتا ہے۔ اسی لیے پوری کائنات بھی اگر قدموں میں ڈھیر کر دی جائے پھر بھی ایک شخص کی آرزو دنیا کی تمام نعمتوں پر بھاری پڑ جاتی ہے۔ دل کا پنچھی بعض اوقات اُڑنا چاہتا ہے لیکن اسی ڈال پر بیٹھ کر جان دے دیتا ہے جس کی آس اسے جینا سکھاتی ہے۔ محبت حاصل سے لاحاصل کے مابین وہ تعلق ہے جو ہر فرد کو ایک الگ تجربے سے روشناس کرواتا ہے۔ اسی لیے درد اور جذبے کی شدت ہر فرد کی ایک جیسی نہیں ہوتی۔

❁ بعض لوگوں کی انا کا باجہ دوسروں کو ذلیل کرنے سے بجتا ہے۔ ایسے افراد اپنی دماغی گندگی کو بڑی مہارت سے شفاف لوگوں تک منتقل کرنے کا ہنر جانتے ہیں اور اس بات پر بیشک ان کو داد ملے یا نہ ملے لیکن وہ کسی کی ظاہری خامی اور بشری کمزوری کا ذکر اس قدر شقاوت اور سنگ دلی سے کرتے ہیں کہ ان پر دنیاوی خدا ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ ایسے افراد تمام عمر اپنی تسکین کے چسکے میں دوسروں کی عزت اتارنے کا بدترین فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں اور جب ان پر برا وقت آتا ہے تو ان کی آہ و بکاہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا کہ کتے کی دم ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہتی ہے۔

❁ صبح جلدی اٹھ کر عبادت کے بعد وہ ناشتہ بنانے لگ جاتی ہے۔ بچوں کو تیار کرواتے وقت گھر کے تمام افراد کے سامنے کھانے کے لوازمات رکھنا اور اٹھانا بھی نہیں بھولتی۔ پھر گھر کی صفائی کرتے ہوئے اتنا وقت ہو جاتا ہے کہ دوپہر کا کھانا بنانے کا آغاز کر دیتی ہے۔ باورچی خانے کی گرم دنیا میں کھانا بنانے کے ساتھ ساتھ ساس کی طنزیہ باتوں سے بھی جلتی رہتی ہے۔ دوپہر بچوں کی آمد اور کھانے کے دوران ان کے گلوں شکووں کو سن کر برتن دھونے میں گزر جاتی ہے۔ شام کا وقت یاد دلاتا ہے کہ رات کا کھانا بنانا ہے۔ اور میاں کی آمد کے بعد کپڑے بھی استری کرنے ہیں رات کو سب کے بعد سونے والی اور صبح سب سے پہلے جاگنے والی اس عظیم عورت کو سلام جس کو اکثر گھروں میں یہی کہا جاتا ہے کہ تم سارا دن کرتی کیا ہو۔ صبح بخیر از قلم آفتاب شاہ

❁ کبھی کبھی خواب ہر حقیقت سے بالاتر ہو جاتے ہیں دل شعور کی کیفیت کی بجائے وجدان کی حالت کا متلاشی رہتا ہے نیند حاصل اور لاحاصل کی کوششِ بیسود سے بہت دور لے جاتی ہیدل چاہتا ہے کہ کسی ندی کنارے بیٹھ کر پانی کی مترنم آوازوں کو دل کے نیم وا گوشوں کی سماعتوں سے ٹکرائے۔ سوچ کو تمثیل کی قبر میں دفنا کر بیزارگی کا مدھر راگ الاپا جائے۔ بعض اوقات آنکھیں نظاروں کی بجائے پرسکون خاموشی میں ڈھلنا چاہتی ہیں شاید اسی کو بیزاریِ زیست کا نام دیا جاتا ہے۔۔

❁ اگر زندگی کا مقصد مسرت کا حصول ہے تو حقیقی خوشی دوسروں کے چہروں پر خوشی کی مسکراہٹ لانا ہے وہ مسکراہٹ جو غریب کے خالی چولہے کو عزت کی آگ عطا کرتی ہے۔ جو محنتی طالب علم کو کامیابی کا جام پلاتی ہے۔ جو حلال رزق سے کھائے گئے نوالے میں نظر آتی ہے۔ جو اولاد کی شہرت و عزت سے ماں باپ کا جہاں آباد کر دیتی ہے۔ جو بیٹی کے میٹھے نصیب سے جھکے کندھے والے باپ کو عطا ہوتی ہے۔ جو دوسروں کے خوابوں میں رنگ بھرنے سے اُبھرتی ہے جو دوستی کی پہلی نظر اور محبت کی آخری نگاہ میں چھپی ہے۔ جو ماں کے آنچل سے باپ کی پگ تک کا سفر طے کرتی ہے۔ مسکراہٹ وہ ہی زندہ رہتی ہے جو عطا کے ہنر سے روشن ہو۔

❁ ہمارے معاشرے میں ہر گروہ سچ کا علم اُٹھائے دوسروں کو درست راہ پر لانے کے لیے سرگرم ہے۔ ہر گروہ کی منطق، دلیل اور تاویل اس لیے

بھی زوردار ہوتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک سچ کا سرچشمہ انہیں کے وجود سے پھوٹتا ہے۔ یہ چلن زندگی کے ہر شعبے میں سرائیت کرتا چلا جا رہا ہے جس سے برداشت اور دوسروں کے نکتہ نظر کو سمجھنے کی حس ختم ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ اب تعلق کی بنیاد بھی کسی فرد کا مسلک، مذہب، پیشہ، رنگ شکل، نسل، صوبہ، علاقہ اور پیسہ دیکھ کر رکھی جاتی ہے۔ یہ گروہی اور مسلکی تقسیم جب قومیت اور واقعیت پروار کرتی ہے تو ذہنی طور پر تقسیم لوگ حقیقت تسلیم کرنے کی بجائے اپنے اپنے خود ساختہ بتوں کے پاؤں میں گر جاتے ہیں۔ جبکہ گرنا ان کو حقیقت کے قدموں میں چاہیے۔

❁- میں کزن میرج کے خلاف تھا تو میری بیوی کزنز کے ہی خلاف تھی، پھر بھی ہماری شادی ہوگئی، ایسا نہیں ہے کہ ہماری محبت کی شادی تھی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ضد کی شادی تھی، نفرت کی شادی تھی، غصے کی شادی تھی، انتقام کی شادی تھی، بچپن سارا لڑتے ہوئے گزرا تھا، اسے میں پسند نہیں تھا اور مجھے وہ کبھی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی، مگر گھر والوں نے ہمارے گٹھ جوڑ کا فیصلہ کر لیا تو پھر نہ میرے گھر چھوڑنے کی دھمکی کام آئی اور نہ ہی اس کے زہر کھانے کے ڈراوے نے کوئی کام کیا۔

❁- نکتہ نگاہ کا اختلاف نہ تو دشمنی کا مرکز ہوتا ہے نہ ہی کسی فرد سے ذاتی دشمنی کا شاخسانہ ہوتا ہے یہ تو زندگی کا اور معاشرے کا حسن ہوتا ہے جہاں ہر فرد اپنی سوچ کے اظہار میں آزاد ہوتا ہے جس کے پاس دلیل بھی ہوتی ہے اور دوسرے فرد کے پاس سننے کا حوصلہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن وہ معاشرے جہاں تنگ نظری کا بیج بو دیا جائے وہ دوسرے کی بات کو ہتکِ عزت اور توہین انسانیت کا نام دے کر رد کر دیتے ہیں۔ ایسے معاشرے ایک آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں جہاں صرف اپنی ذات کی سچائی ہی رقص کرتی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن سچ اور انصاف چپکے سے رُخصت ہو جاتا ہے۔

❁- باپ اور بیٹے کا تعلق کھٹاس اور مٹھاس کے رچاؤ سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ ایک باپ کو بیٹے کا دوست ہونا چاہیے لیکن گھر میں داخل ہوتے وقت بیٹے کو اپنی پھیلی ہوئی ٹانگیں اور بے ترتیب طبعیت کو سمبھال لینا چاہیے۔ بیٹا باپ کا دوست ہوتا ہے لیکن باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے خیال رکھے کہ یہی کندھا اس کے سہارے کا باعث ہے اس کو زمین پر لگانے کی چاہ میں خود چاروں شانے چت ہو جائے گا۔ باپ بیٹے کا دوست ہوتا ہے لیکن اس کی بات پر اگر کان دھرنے کی بجائے بیٹا کسی اور جانب راغب ہو تو دوستی میں رواداری کا خاتمہ ضروری ہے۔ بیٹا باپ کا دوست ہوتا ہے لیکن اس صورت میں جب وہ مشقت زادہ ہاتھوں کو بوسہ دے کر دوست کی تکریم میں اس کے بڑھاپے کی نیند کا تکیہ بن جاتا ہے۔ باپ بیٹا دوست ہوتے ہیں لیکن رتبہ دونوں کو عزت کے پیمانے سے ہمیشہ باندھے رکھتا ہے۔ صبح بخیر۔

***

پاکستانی کے گدھے انجینئر

ایک بڑی کنسٹرکشن کمپنی کو پاکستان پہاڑی علاقوں میں سڑک بنانے کا ٹھیکہ مل گیا... انھوں نے نقشے بنانے شروع کیے۔ سروے کے دوران ایک غیر ملکی ٹھیکیدار کو یہ سب سمجھ نہ آیا۔ اعتراض اُٹھانے پر انھوں نے پوچھا کہ آپ لوگ پہاڑی علاقے میں سڑک کا نقشہ کیسے ترتیب دیتے ہیں؟ اس پر پاکستانی ٹھیکیدار نے کہا کہ ہم کھوتے پہ چونے کی بوری میں سوراخ کر کے لاد دیتے ہیں اور کھوتے کو پہاڑ پہ چھوڑ دیتے ہیں، کھوتا جس راستے سے اوپر نیچے جاتا ہے وہاں چونے کے نشان سے ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ یہ بہتر راستہ ہے، اور پھر وہیں پر سڑک بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ غیر ملکی بڑا پریشان ہوا اور پوچھا کہ " آپ کے ہاں سڑکیں سول انجینئرز نہیں بناتے؟ ''... وٹھیکیدار نے ہنس کر کہا'' جہاں کھوتا میسر نہ ہو وہاں انجینئرز ہی بناتے ہیں۔

مردے نہیں سنتے

ایک مشہور ڈاکو کچھ نیک لوگوں کی صحبت اور تبلیغ کی وجہ ڈاکے مارنے سے باز آ گیا .... مگر پھر وقت کچھ ایسا آیا کہ بیروزگاری اور غربت کی وجہ سے گھر میں نوبت فاقوں تک آن پہنچی، تو وہ ایک دن ایک بڑے مزار پر گیا اور دن دیہاڑے وہاں چھت پر لٹکتا انتہائی قیمتی فانوس اُتار لایا۔ مزار پر بیٹھے مجاور اسے پہلے سے جانتے تھے کہ بہت جری اور جنگجو ہے، سو کچھ کہنے یا اس سے مزاحمت کرنے کی جرات نہ کر سکے... ڈاکو نے وہ فانوس 1886ء میں قریباً چالیس ہزار کا بیچا۔ مجاوروں نے کورٹ میں کیس کیا، جج صاحب نے ڈاکو کو عدالت میں طلب کیا (یہ واقعہ حیدر آباد سندھ کے ایک مشہور مزار کا

ہے)جج صاحب نے ڈاکو سے پوچھا: فانوس اُتارا ہے؟

ڈاکو نے کہا: جی اُتارا ہے؟ پوچھا: کیوں اُتارا ہے؟

جواب دیا کہ گھر میں نوبت فاقوں تک آ گئی تھی۔ میں صاحب مزار (قبر میں مدفون) کے پاس حاضر ہوا کہ کچھ مدد کریں۔صاحب مزار نے قبر کے اندر سے فرمایا ''یہ فانوس تیرا ہوا۔بیچ کر ضرورت پوری کرلو۔ میں نے فانوس اُتار کر بیچ دیا اور اپنی ضرورت پوری کر لی۔جج صاحب نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر توقف کے بعد فیصلہ سناتے ہوئے مجاروں سے مخاطب ہوئے کہا کہ یا تو اپنا عقیدہ بدل لو کہ مردے نہیں سنتے، یا پھر ڈاکو ٹھیک کہتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

چائے کی پیالی میں اتنی طاقت

شادی کی رات وہ پلنگ پر گھونگٹ پھیلائے میری منتظر بھی نہ تھی، جب میں کمرے میں داخل ہوا تو دل ہی دل میں اس کی گردن مروڑ نے اور اُسے قتل کر ڈالنے کے کئی ارادے بنا کے رد کر چکا تھا اور وہ جائے نماز پر بیٹھی ہچکیاں لے رہی تھی، شاید رو رہی تھی، تب میں نے جانا کہ مجبور صرف میں نہیں تھا، وہ مجھ سے زیادہ مجبور تھی۔زندگی میں پہلی بار اس کے آنسوؤں نے میرا دل زخمی کیا، وہ اپنا گھر، اپنے ماں باپ، بہن بھائی اور دوست سب چھوڑ کر میرے لیے آئی تھی اور میں اس کو ضد بنائے بیٹھا تھا۔

مجھے اس کو جھکانے کا شوق تھا اور اس کو روتے دیکھ کر میرے سینے میں جو درد جاگا، میں نے سوچا اگر یہ واقعی جھک گئی تو کیا مجھے خوشی ہو گی؟ دل سے آواز آئی کہ مجھے پھر نہ کہنا دھڑکنے کے لیے میں فوراً کمرے سے باہر نکل گیا جب دس منٹ بعد میں چائے کی دو پیالیاں لیے کمرے میں داخل ہو رہا تھا تو وہ آنسو صاف کرتے جائے نماز سمیٹ رہی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے جائے نماز لے کر تپائی پر رکھی اور چائے کی پیالی اس کے ہاتھ میں تھما دی اس کے چہرے کی حیرت مجھے لطف دینے لگی تھی، میں نے مسکرا کر پوچھا: کیا چائے کی پیالی اتنی طاقت ور ہے کہ بچپن کے دشمن دوست بن جائیں؟ وہ ایک دم کھلکھلا کر ہنسی اور مجھے جواب مل گیا۔ہاں بالکل چائے کی پیالی میں اتنی طاقت ہے کہ سالوں پرانی دشمنی دوستی میں بدل سکتی ہے۔

(منقول)

ڈاکٹر فرحت عباس شاہ

زندگی میں قسم اور قلم بہت سوچ سمجھ کر اُٹھانا چاہیے

کیونکہ الفاظ ہی سب کچھ ہوتے ہیں دل جیت بھی لیتے ہیں اور دل چیر بھی دیتے ہیں۔(حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ) زندگی بہت مختصر ہے سمجھ آتے آتے گزر جاتی ہے۔ دل میں کوئی بات نہ رکھیں نہ جھگڑے طویل ہونے دیں۔معاف کر دیں کیونکہ معاف کرنا اللہ کو پسند ہے۔خوش رہیں۔اللہ پاک ہمارے معاملات میں آسانیاں پیدا کرے۔

انسان بمقابلہ قدرت

قاسم عباس۔ٹورنٹو کینیڈا

آج کل دنیا جس دور سے گزر رہی ہے اسے دیکھ کر ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ قدرت کے آگے انسان, بڑی بڑی حکومتیں اور بڑے بڑے سائنسدان لاچار ہیں دنیا کے کئی ملکوں میں زبردست بارش سیلاب طوفان زلزلے، جنگلوں میں آگ، آتش فشاں، لاوا وغیرہ جیسی قدرتی آفتیں اور مصیبتیں پچھلے دنوں برپا ہوئی تھی اور اب بھی ہو رہی ہے اور لاکھوں لوگوں کو تکلیف میں ڈال دیا ہے۔ اس کے علاوہ کورونا وائرس نے بھی دنیا کے لاکھوں لوگوں کی جان لے لی ہے اور کئی ملکوں کی معیشت پر گہرا اثر ڈال دیا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان بڑی بڑی حکومتیں اور بڑے بڑے سائنسدان قدرت کے سامنے بے بس اور لاچار ہیں آج اکیسویں صدی میں ہم دیکھ رہیں ہیں کہ انسان نے بہت ہی ترقی کر لی ہے اور یہاں تک کہ چاند کے بعد مریخ پر بھی اپنی نشانی گاڑ دی ہے۔مگر پھر بھی قدرت کے آگے انسان بالکل لاچار ہے کہ قدرتی آفتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اردو کا لفظ قدرت دراصل عربی لفظ قَدِیر سے بنا ہے اور قدیر کا اردو میں مطلب قادر ہوتا ہے۔ جو اللہ کا صفاتی نام ہے اور أَسْمَآءِ الْحُسْنَىٰ میں سے ایک ہے۔اس لحاظ سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ قدرتی آفتیں اللہ کی طرف سے انسانوں کے لئے ایک آزمائش اور ساتھ میں ایک وارننگ کی طرح ہے انسانوں کے اعمال دیکھتے ہو یا نسانوں کو اس سے سبق لینا چاہیے اور اپنے اعمالوں کی اصلاح کرنی چاہیے۔اس سلسلے میں قرآن میں اللہ کا فرمان ہے اور تم پر جو مصیبت آتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے آتی ہے۔

زندہ اور مردہ انسان

قاسم عبّاس، مِیسی ساگا کینیڈا

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید زندہ انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، مگر زندہ مسلمان قرآن مجید کو مردوں کے گناہ بخشوانے کے لئے طوطے کی طرح بغیر سوچے سمجھے پڑھتے ہیں تا کہ مردہ، جسنے پوری زندگی قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش نہ کی ہو، اسے جنّت کا ٹکٹ مل جائے اور اس مقصد کے لئے مردے کے لئے سوئم چہلم، برسی، عرس، قرآن خوانی، گیارویں۔ بارویں، تیرویں وغیرہ کا دھاکیدار انتظام کیا جاتا ہے اور اس موقعے پر ہدایت کے لئے بھیجا گیا قرآن مجید بغیر سمجھے طوطے کی طرح پڑھا جاتا ہے، جسے قرآن کا ''ختم'' کہا جاتا ہے---یہ ہے قرآن مجید کے اصل مقصد کو بالکل ''ختم'' کرنے کا طریقہ اسلامی تاریخ اور سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے رسم ورواج کا ذکر یا حکم نہ قرآن میں ہے نہ مستند احادیث میں ... نہ حضور ﷺ نے اپنے بیٹے کے لئے کوئی ایسی رسم کی تھی نہ خلفاء راشدین رنے یا صحابائے کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُم نے حضور ﷺ کے لئے کوئی یسی رسم کی تھی۔ آن کریم کی سُورَۃُ الْقَمَر میں یہ آیت چار مرتبہ دہرائی گئی ہے اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کیلئے آسان کر دیا ہے، سو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ غیر اسلامی رسم ورواج، جس کا نہ قرآن کریم میں ذکر ہے نہ حدیث میں، اس سے اجتناب کرنا چاہئے، اور قرآن کریم کو سمجھ کر، اس کی آیتوں پر غور وفکر کر کے اس پر عمل کرنا چاہیے، جو ہر مسلمان پر فرض ہے، اور جس کے بارے میں قرآن کریم میں بار بار حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو نیک ہدایت عطا کرے۔

***

نعت سیدِ لولاک رسولِ مقبول ﷺ

سیدہ کوثر منور۔لندن

گمانِ سبز کے رستے یقین کی چاہت
خدا نے بخشی نبیِ مبین کی چاہت
مدینہ پاک کی جانب چلیں تو ملتی ہے
سفر کے ساتھ رسول امین کی چاہت
اگر نبی کی زیارت وہاں ملے تو پھر
فلک پہ کون کرے گا زمین کی چاہت
خدا کے سارے نبیوں کے آپ ہیں سردار
اسی لئے تو بڑھی اپنے دین کی چاہت
عجیب یہ ہے محبت کے باب میں کوثر
ملی ہے پرکھوں سے صحرا نشین کی چاہت

رئیس اعظم حیدری (کولکاتا)

دولت ہمارے باپ نے جو چھوڑ کر گئے
جتنے تھے رشتے دار انہیں توڑ کر گئے
قبضے میں اپنے کرلی دکاں لڑکے سارے ہی
دولت بھی سارے بھائی نے ہی مل کے بانٹ لی
ماں اور بہن کو کچھ نہیں لگنے دیا ہے ہاتھ
اس طرح رشتہ داروں میں بڑھنے لگی ہے بات
بھائی بہن میں ہونے لگے جھگڑے رات دن
گزرے کسی بھی طور اسی طرح سات دن
بیٹھک ہوئی ہے بھائی بہن کے جو درمیا ن
بولی بہن نے مجھکو نہیں کیوں ملی دکاں
بھائی نے کہہ دیا کہ ہوئی شادی جو تری
وہ کھیت بیچ کے ہی تری شادی بھی ہوئی
لاکھوں ہوئے ہیں خرچ تری شادی میں بہن
برباد اس طرح سے ہوا اپنا یہ چمن
اب حصے اور کیا دوں تجھے بول اے بہن
میں نے کیا ہے بابا کے سب گور اور کفن
بھانجے نے بڑھ کے بولا یہ ترکہ ہے ماموں جان؟
بتلایئے مجھے یہی اسلام کی ہے شان
اللہ اور رسول کا کیا حکم ہے یہی
بابا کے مال پر تو ہے حق سب بہن کا بھی
لاکھوں کی ہے دکان سے آمدنی روز کی
سارے ہی بھائی کھائیں ہر اک دن ہی روٹی گھی
پیاری بہن کا دن یہ کٹے بھوک پر سدا
کیوں کر رہے ہیں آپ بہن سے سدا دغا
شادی تو دھوم دھام سے سب بھائی کی ہوئی
نانا کے سارے کھیت کی بکری بھی ہو گئی
نانی کا حق تھا آپ نے وہ کچھ نہیں دیا
سب بھائیوں نے مل کے ہی حق یوں ہڑپ لیا
حق ماں بہن کا جو ہے اسے سب ادا کریں
ماں اور بہن سے اپنی دعا یوں لیا کریں
حکم خدا یہی ہے یہ حق کیجئے ادا
حصے میں جس کا جو ہے اسے دیجئے سدا

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

فیلڈ مارشل برنارڈ منٹگمری

برطانوی مسلح افواج کے سربراہ فیلڈ مارشل برنارڈ منٹگمری نے ریٹائرمنٹ کے بعد برطانوی وزیراعظم سے ملاقات میں درخواست کی کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں، ریٹائرمنٹ کے بعد سوائے پنشن کے کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ کرائے کے مکان میں رہتا ہوں، بار بار مکان کی تبدیلی میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ مجھے ایک مکان اور تھوڑی سی زرعی زمین الاٹ کر دیں تاکہ میں زندگی کے باقی ایام پرسکون طریقے سے گزار سکوں۔ وزیراعظم نے تحمل سے ساری بات سنی اور پھر جواب دیا۔ مسٹر منٹگمری یقیناً آپ ہمارے قومی ہیرو ہیں۔ عالمی جنگ میں آپ نے تاج برطانیہ کے لئے شاندار خدمات دی ہیں جس کی ساری قوم معترف ہے لیکن جنرل صاحب آپ کو اس قومی خدمت ہر ماہ معقول معاوضہ دیا جاتا رہا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حکومت نے کسی مہینے آپ کو تنخواہ ادا نہ کی ہو یا پھر کبھی آپ کی تنخواہ لیٹ ہوگئی ہو۔ اور اب جبکہ آپ ریٹائرڈ ہو چکے ہیں، اور ریاست کے لئے کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے اس کے باوجود برطانوی حکومت اپنے عوام کے ٹیکسوں کی رقم سے آپ کو ریٹائرمنٹ فنڈ کے علاوہ ہر ماہ معقول پنشن دے رہی ہے۔ مسٹر منٹگمری بطور وزیراعظم میں عوام کے حقوق کا محافظ ہوں اور ملکی آئین کے مطابق عوام کے ٹیکسوں کے پیسے کو اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے خرچ کرنے کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ منٹگمری سابق آرمی چیف تھا، فیلڈ مارشل بھی تھا۔ برطانوی حکومت کو کئی جنگیں جیت کر دے چکا تھا۔ بقول شخصے منٹگمری جاگتا تھا تو اس کی قوم سکون سے سوتی تھی۔ اس کے باوجود انکار سن کر اس نے غصہ نہیں کیا۔ اس نے وزیراعظم کا شکریہ ادا کیا، ساتھ بیٹھ کر کافی پی اور ان سے ہاتھ ملا کر اپنے کرائے کے مکان کی طرف چلا گیا۔ منقول

خدا کا حصہ

میں نے بکریاں پالنے والے ایک چھوٹے سے فارمیٹ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کتنی بکریاں ہیں اور سالانہ کتنا کما لیتے ہو اس نے کہا میرے پاس اچھی نسل کی بارہ بکریاں ہیں جو مجھے سالانہ چھ لاکھ روپے دیتی ہیں جو ماہانہ پچاس ہزار بنتا ہے۔ مگر میں نے جب بکریوں کے ریوڑ پر نظر دوڑائی تو اس میں بارہ نہیں تیرہ بکریاں تھیں۔

جب میں نے اس سے تیرھویں بکری کے بارے میں پوچھا تو اسکا جو جواب تھا وہ کمال کا تھا اور اسکا وہی ایک جملہ دراصل کامیاب ہونے کا بہت بڑا راز تھا اس نے کہا کہ بارہ بکریوں سے میں چھ لاکھ منافع حاصل کرتا ہوں اور اس تیرھویں بکری کے دو بچے ہوتے ہیں ایک کی قربانی کرتا ہوں اور دوسرا کسی مستحق غریب کو دے دیتا ہوں اس لئے یہ بکری میں نے گنتی میں شامل نہیں کی۔ یہ تیرہویں بکری باقی کی بارہ بکریوں کی محافظ ہے اور میرے لئے باعث خیر و برکت ہے یقین کریں کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں کے فلسفے ایک طرف اور اس بکریاں پالنے والے نوجوان کا یہ جملہ ایک طرف مجھے وہ بات ان پڑھ سادہ لوح گلہ بان کامیابی کا وہ فلسفہ سمجھا گیا جو کامرس کی موٹی موٹی کتابیں مجھے نہ سمجھا سکیں لوگ رزق کو محنت میں تلاش کرتے ہیں حالانکہ یہ سخاوت میں پوشیدہ ہے۔

ہماری تاریخ۔ آفتاب شاہ

ہمیں اپنی تاریخ پر فخر کرنا چاہئے لیکن کونسی تاریخ پر؟ ترکوں کی تاریخ پر یا عربوں کی تاریخ پر جو ہمیں صرف پاکستانی سمجھتے ہیں ہندوستانیوں کی تاریخ پر یا افغانوں کی تاریخ پر جو ہمیں غاصب سمجھتے ہیں۔ ہم آج اسی لیے اپنی تاریخ کے بہت سے گوشے بے نقاب نہیں کر پاتے کیوں کہ ہماری حقیقی تاریخ عیاش مغلوں کے زوال اور قائداعظم کے عروج سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں اپنی تاریخ کو خود جنم دینا پڑے گا۔ فخر اور غرور کا سامان دنیا کے سامنے رکھنا پڑے گا۔ سائنس، فلسفہ، علم، سیاست اور معاشرت کا ایسا نظام متعارف کروانا پڑے گا جس پر ہر پاکستانی کو فخر ہو اور دنیا کے لیے ہم مشعل راہ ہوں ورنہ پرائی چیزوں پر مان زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہتا۔

محترم پروفیسر اعظم نوید کی شاعری پر مختصر تبصرہ

رانا عبدالرزاق خاں - عاصی صحرائی، ایڈیٹر ماہنامہ قندیل ادب لندن

محترم پروفیسر اعظم نوید صاحب کی کتاب ''آنکھوں کے سراب'' کا مسودہ میرے سامنے ہے۔جس پر تبصرہ کرنے کو فرمایا گیا ہے۔مصروفیت کی بنا پر اس طرف توجہ نہ دے سکا۔معذرت خواہ ہوں ۔ اس نئے مجموعہ کلام کو دیکھ کر اور پڑھ کر سوچتا ہوں کہ من آنم کہ من دانم ۔محترم پروفیسر اعظم نوید کے دو مجموعہ کلام اس سے قبل بھی آ چکے ہیں ۔ پہلے مجموعہ کلام کا نام ''وفاؤں کا صلہ'' جبکہ دوسرے کا نام ''درد کی بانہوں میں'' تھا۔آپ کا کلام عرصہ سے ماہنامہ قندیل ادب لندن کی زینت بھی بنتا رہا ہے۔اور اب بھی چھپ رہا ہے۔

اور لوگوں کی خوشکن آراء بھی ملتی رہی ہیں۔آپ ایک سنجیدہ شاعر ہیں اور پھر حساسیت آپ کے دامن میں گھر کر گئی ہے ۔ پہلے مجموعہ ہائے کلام میں جوانی کے جذبے سے معنون شعر بھی ہیں ۔اب تو اس مجموعہ کلام میں نصیحت آموز اشعار کی بھی افراط ہے ۔اور دنیا کے کرب و بلا کا بھی ذکر ہے ۔اعظم نوید کسی بھی مظلوم پر ہوتا ہوا ظلم دیکھ کر بلبلا اُٹھتے ہیں ۔آپ کی شاعری میں دھنک رنگ نمایاں نظر آتے ہیں ۔اعظم نوید نے معاشرے میں ہوتے ہوئے ظلم اور بے انصافیوں کا بار ہا رونا رویا ہے ۔ یہ ایک دردمند دل رکھنے والے شاعر کا وطیرہ ہے ۔شعراء کسی بھی معاشرے کو آئینہ دکھانے کے قابل ہوتے ہیں ۔ باضمیر اور دردمند شعراء کسی کی پرواہ کئے بغیر حبیب جالب کی طرح وقت کے حکام کو آئینہ دکھلاتے رہتے ہیں ۔اور اعظم نوید نے بھی پوری شدت اور حوصلے سے جرات سے یہ کام کیا ہے۔آپ کی شاعری مردانگی ،سچائی ، انصاف ، پیار و محبت کے بھی قصے بیان کر کے معاشرے کی بے انصافیوں پر سے پردہ اُٹھاتی ہے ۔اعظم نوید کی شاعری کا ایک اہم رنگ حب الوطنی ہے ۔آپ حب الوطنی میں اس قدر سرشار ہیں کہ آپ کے اشعار اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ان کا ایک شعر پیش ہے۔

کتنی اُلفت ہے رگِ جاں میں وطن کی یارو
کوئی تو آ کے مرے من کے جھروکے دیکھے

خاکسار آخر پر اعظم نوید کو اس کتاب کو وجود میں لانے پر مبارک باد دیتا ہے یہ مجموعہ کلام دنیائے ادب میں ایک دھماکے سے کم نہیں ۔اسے پڑھ کر اہل ادب کو اس کی قدر کا پتہ چل سکے گا ۔ مجھے امید ہے تشنگانِ ادب اس سراب زندگی سے اپنی ادبی پیاس بجھانے میں اپنی پوری کوشش کریں گے ۔اور اعظم نوید صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں ۔خدا تعالیٰ ان کو اردو ادب کی خدمت کی مزید توفیق دے اور ان کو ہر لحاظ سے صحت مند اور خوش و خرم رکھے آمین ۔

مرد-

قدسیہ بانو

میں نے مرد کی بے بسی تب محسوس کی جب میرے والد کینسر سے جنگ لڑ رہے تھے اور انھیں صحت یاب ہونے سے زیادہ اس بات کی فکر لاحق تھی کہ جو کچھ انہوں نے اپنے بچوں کے لئے بچایا تھا وہ ان کی بیماری پر خرچ ہو رہا ہے اور ان کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟ یں نے مرد کی قربانی تب دیکھی جب ایک بازار عید کی شاپنگ کرنے گئی اور ایک فیملی کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز کا ڈھیر تھا اور بیوی شوہر سے کہہ رہی تھی کہ میری اور بچوں کی خریداری پوری ہوگئی ۔آپ نے کرتا خرید لیا؟ آپ کوئی نئی چپل بھی خرید لیں؟ جس پر جواب آیا۔ضرورت ہی نہیں ۔پچھلے سال والی کون سی روز پہنی ہے جو خراب ہوگئی ہے ۔تم دیکھ لو اور کیا لینا ہے؟ بعد میں اکیلے آ کر اس رش میں کچھ نہیں لے پاؤ گی ۔ ابھی میں ساتھ ہوں جو خریدنا ہے آج ہی خرید لو۔میں نے مرد کا ایثار تب محسوس کیا جب وہ اپنی بیوی بچوں کے لئے کچھ لایا تو اپنی ماں اور بہن کے لئے بھی تحفہ لایا ۔ میں نے مرد کا تحفّظ تب دیکھا جب سڑک کراس کرتے وقت اس نے اپنے ساتھ چلنے والی فیملی کو اپنے پیچھے کرتے ہوئے خود کو ٹریفک کے سامنے رکھا ۔ میں نے مرد کا ضبط تب دیکھا جب اس کی جوان بیٹی گھر اُجڑنے پر واپس لوٹی تو اس نے غم کو چھپاتے ہوئے بیٹی کو سینے سے لگایا اور کہا کہ ابھی میں زندہ ہوں ۔لیکن اس کی کھنچتی ہوئی کنپٹیاں اور سرخ ہوتی ہوئی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ ڈھیر تو وہ بھی ہو چکا، رونا تو وہ بھی چاہتا ہے لیکن یہ جملہ کہ ''مرد کبھی روتا نہیں ہے''، اسے رونے نہیں دے ۔

اعتبار ساجد

جو خیال تھے نہ قیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جو محبتوں کے اساس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل، وہی لوگ میرے ہیں ہمسفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے سراب اور ستائیں گے
میری عمر بھر کی جو پیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
یہ خیال سارے ہیں عارضی، یہ گلاب سارے ہیں کاغذی
گلِ آرزو کی جو باس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں کر سکا نہ قبول میں، وہ شریک راہِ سفر ہوئے
جو مری طلب مری آس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
مری دھڑکنوں کے قریب تھے، مری چاہ تھے، مرا خواب تھے
جو روز و شب مرے پاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

نعت

آئینہ در آئینہ پھرتا ہے جلوہ آپؐ کا
جگمگاتا ہے مرے دل میں سراپا آپؐ کا
کیوں میں اس دنیا کے آلام و مصائب سے ڈروں
مجھ کو اے یثرب کے والی ہے سہارا آپؐ کا
آنکھ جھپکی ہو گیا تقسیم دو حصوں میں چاند
محوِ حیرت کر گیا سب کو اشارا آپؐ کا
حشر میں جب ہو گی سب کو لاحق اپنی اپنی فکر
شاہِ دیں درکار ہوگا مجھ کو سایہ آپؐ کا
کیا جچے گا میری آنکھوں میں یہ حسنِ کائنات
میری آنکھوں میں ہے بس رُوئے دل آرا آپؐ کا
آرزو دل میں مبشّر کے یہی ہے رات دن
در ہمیشہ کے لئے مِل جائے شاہا آپؐ کا

Concept 2Print

DIGITAL LITHO

A Complete Design & Print Service

CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH

- Business Cards
- Folders
- Booklets
- Books
- Wedding Cards
- Letterheads
- NCR Pads
- Calendars
- Flyers
- Greeting Cards
- Compliment Slips
- Brochures
- Posters
- Pull up Banners
- Invitation Cards

t:0203 603 7582 e:info@concept2print.co

e:info@concept2print.co.uk

106 High Street-Colliers Wood-London-SW19 2BT

WWW.concept2print.co.uk

H@T IT SERVICES

Hardware • Application • Technology

HAT IT Services is becoming an IT Solution provider in innovative Hardware and Software Solutions that enable businesses to transform into digital enterprises for the ultimate competitive advantage.

- Laptop Repairs
- Computer Repairs
- Virus / Malware Removal
- Data Recovery
- System Optimization
- Home / Office Networking
- Server Installation
- Infrastructure & Networking
- Web & Application Development
- Sales & Purchase
- CCTV Installation & Maintenance

T: 0203 524 7530

www.hatservices.com

106 High Street, Colliers Wood SW19 2BT

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

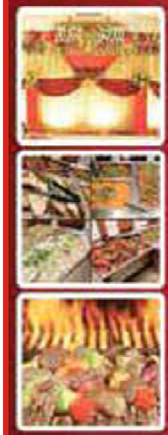

Services Available

- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking
We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Tel: 020 8640 0700

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

Looking for insurance?

For free advice call
Yasir Muhammad at **0203 468 2789**

Home/ Property	Business Fleet
Taxi Insurance	Shop Insurance
Car/ Van	Commercial Van
Life	Public Liability

www.londoninsure.co.uk
info@londoninsure.co.uk

LONDON INSURE

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈو، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون:02085 401 666، فیکس02085 430 534
ای میل:law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندنSW19, 1AX
فون:02085 401 666، فیکس02085 430 534
ای میل:law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست(ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)